Registered No. L. 5340

جلد ۳۳
عدد ۴

جمادی الثانی ۱۳۶۹ھ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقائق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

نعیم صدیقی

جاری کردہ :

سید ابوالاعلیٰ مودودی

دفتر رسالہ "ترجمان القرآن"

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ۔ لاہور

قیمت سالانہ پانچ روپے۔ برائے پاکستان قیمت فی پرچہ آٹھ آنے
" سات روپیہ آٹھ آنے برائے ہندوستان " گیارہ آنے

مطبوعات مکتبہ جماعت اسلامی

الجہاد فی الاسلام	-/۸	اسلام اور ضبط ولادت	-/۱
رسالہ دینیات	۱/۸	سود	۲/۸
حقوق الزوجین	۱/۸	اشتراکیت اور نظام اسلام	۴/۸
مسئلہ قومیت	۱/۸		
مسئلہ جبر و قدر	-/۱	نیا نظام تعلیم	-/۶/-
تجدید و احیائے دین	-/۱		
اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر	-/۱		
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں	۱/۴	دین حق	-/۶/-
سیاسی کشمکش حصہ اول	۱/۴	اسلام اور جاہلیت	-/۷/-
سیاسی کشمکش حصہ دوم	۲/۸	ایک اہم استفتا	-/۳/-
سیاسی کشمکش حصہ سوم	۲/۸	دستور جماعت اسلامی	/۳/-
اسلام کا نظام حیات	-/۱۰/-	روداد جماعت اسلامی حصہ اول	-/۱
پردہ	۲/۸	روداد جماعت اسلامی حصہ دوم	-/۱۴/-
تنقیحات	۲/۸	روداد جماعت اسلامی حصہ سوم	-/۲
خطبات (نیا ایڈیشن)	-/۳	روداد جماعت اسلامی حصہ پنجم	-/۲
تفہیمات	۳/۸	روداد اجتماع خواتین	-/۱۲/-
حقیقت توحید	۱/۲	جماعت اسلامی کی دعوت، بناؤ بگاڑ فی	-/۹/-
حقیقت تقویٰ	-/۱۲/-	حقیقت شرک	-/۲

عربی مطبوعات

اسلام کا نظریہ سیاسی	-/۱	انسان کا معاشی مسئلہ	-/۱
اسلامی حکومت	-/۱	اسلام اور جاہلیت	-/۱
دین حق	-/۱	شہادت حق	-/۱

ترجمان القرآن

فہرست مضامین

جلد ۳۳ | ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۵۰ء | عدد ۲

سید ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے مرکنٹائل پریس چمبرلین روڈ میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ سے شائع کیا۔

نوٹ:۔ پچھلا پرچہ دسمبر، جنوری، فروری، تین ماہ کا اکٹھا شائع ہوا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پاکستان کے تین سچے بہی خواہ جو تحریکِ اقامتِ دین کی سربراہ کاری کے جرم میں حوالۂ زنداں کئے گئے تھے ان کی خدمات سے ملک و ملت کو محروم ہوئے آج ایک سال پانچ ماہ کا عرصہ پورا ہو چکا ہے۔

یہ حضرات جس جرم کے مجرم تھے اور ہیں، وہ ہمیشہ ــــ تاریخ کے ہر دور میں ــــ ایک ایسا جرم رہا ہے جس کو صبر و سکون سے کبھی گوارا نہیں کیا گیا، بلکہ اس جرم کے مجرموں کا استقبال ہمیشہ سامانِ دار و گیر ہی سے کیا گیا ہے۔ خدا کے دین کو ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے قائم کرنے کا عَلم جب بھی کسی بندۂ حق نے اٹھایا ہے تو اس کا راستہ روکنے کے لئے حکومت، سرمایہ داری اور جامد مذہبیت کی مختلف طاقتیں دوش بدوش کھڑی ہو گئی ہیں۔ پھر "صد عن سبیل اللہ" کا کارِ خیر انجام دینے کی سعادت کفار و مشرکین ہی کے لئے خاص نہیں رہی، بلکہ خدا، اس کے رسولوں، اور اس کی کتابوں پر ایمان لانے کا دعویٰ رکھنے والوں نے بھی اس "جہاد" میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ ــــ اور بنی اسرائیل ہی پر کیا موقوف ہے، خود ہماری اپنی تاریخ ــــ اس قسم کی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

مگر مسلمان جب کبھی اقامتِ دین کے علمبرداروں پر حملہ کرتا ہے تو سامنے سے نہیں کرتا، بلکہ پہلو سے وار کرتا ہے۔ وہ اس جرم کے مجرموں کا اصل جرم کبھی زیرِ بحث نہیں لاتا، بلکہ طرح طرح سے الزام تراشیاں کرتا ہے تاکہ اس کی اسلام دوستی کا بھرم نہ کھل جائے۔ اس نے امام حسینؓ کے خلاف تلوار اٹھائی، اس نے امام مالکؒ کو کوڑوں سے پیٹا، اس نے امام احمدؒ بن حنبل پر تشدد کیا، اس نے امام ابو حنیفہؒ کو حوالۂ زنداں کیا اور زہر کا جام پلایا، اور پھر اس نے مجدد الف ثانی کو قلعہ گوالیار میں نظر بند کیا لیکن چونکہ وہ مسلمان تھا اسلئے اس نے کبھی نہیں کہا کہ میں جو زیادتیاں کر رہا ہوں یہ اس لئے کر رہا ہوں کہ میرے حریف اسلام کو برسرِ اقتدار لانا چاہتے ہیں اور ان کی کوششوں سے مجھے خطرہ ہے کہ میری بنی بنائی دنیا بگڑ جائیگی ــــ بلکہ اس نے اسلام

کا سچا سرپرست بن کر اور مسلمانوں کا حقیقی خیرخواہ بن کر ہمیشہ اعلان کیا ہے کہ یہ لوگ انتشار پھیلاتے ہیں، سلطنت کی تخریب کرتے ہیں، یہ عوام کی وفاداریوں میں خلل ڈالتے ہیں اور یہ لوگ اقتدار کے حریص ہیں۔

آج بھی تاریخ اس بارہا کی دہرائی ہوئی کہانی کو بانداز نو دوہرا رہی ہے!

مولٰنا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولٰنا امین احسن اصلاحی اور میاں طفیل محمد تینوں کے بارے میں عوام الناس یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ انکا کونسا جرم ایسا ہے جس کی سزا انکو مل رہی ہے۔ اس سلسلے میں حکومت کی طرف سے جو پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے، اُس کی قلعی تو تقریباً کھل چکی ہے اور لوگ اصل حقیقت کی تہ تک پہنچ چکے ہیں۔ ارباب حکومت کے اختلاف بیان نے خود ہی اس کی پوزیشن کو کھول کر دیا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ علی الترتیب کیا کیا الزام تراشیاں کی جاتی رہی ہیں:-

(۱) سب سے پہلے تو "جنگ" کراچی (۱۲ مئی ۴۹ء) کی اس خبر کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں اس کے نامہ نگار خاص نے مولٰنا مودودی اور جماعت اسلامی کے بارے میں حکومت کی تشویش کا حال معلوم کر کے پبلک کے سامنے پیش کیا تھا۔

"گذشتہ دنوں حکومت پاکستان کے اہم ترین محکمہ کے چند ملازمین نے جو جماعت اسلامی کے پیرو ہیں، یہ مطالبہ کیا کہ محکمہ کا نظم و نسق خالص اسلامی طریق پر چلایا جائے۔ اس واقعہ نے حکومت کی توجہ مولانا مودودی کی جانب مبذول کرائی، اور اب ان کی جماعت کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔"

یہ خبر "انجام" کے حوالے سے لاہور اور پشاور کے اخبارات نے بھی شائع کی تھی اور حکومت کی طرف سے اس کی کوئی تردید نہیں ہوئی۔ بعد کے واقعات بھی اس خبر کے عین مطابق نکلے۔ ان وجوہ سے یہ خبر جماعت اسلامی اور ہمارے اکابر کی کشمکش . . . . . . کی اصل حقیقت کی طرف بہت ہی واضح رہنمائی کرتی ہے۔ اس خبر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کو اصل شکایت اس سے پیدا ہوئی کہ اسلامی طریق پر نظم و نسق چلانے کا مطالبہ اس جماعت اور اس کے لیڈر کے ذریعے دُور دُور تک پھیلنے لگا ہے لیکن بعد میں حکومت نے یہ نزاع

پر مختلف پردے ڈالنے کی کوششیں کیں۔

(۴) مولینا کی گرفتاری سے قبل مسئلہ کشمیر کا ہنگامہ بپا کیا گیا، اور اس کام کے لئے ایک منظم سازشی طریق کار اختیار کیا گیا جس کے چند اہم اجزاء یہ تھے :-

ا: ایک نیم سرکاری آدمی کو مولینا مودودی سے پرائیویٹ گفتگو کرنے کیلئے بھیجا گیا۔

ب: کارِ خاص کے اس آدمی نے مولینا کی گفتگو میں تحریف کر کے مولینا کی تنبیہ کے خلاف اسے شائع کیا۔

ج: مولانا کے بیان کردہ شرعی مسئلہ میں تصرف کر کے اسے آزاد کشمیر ریڈیو سے بار بار نشر کیا جاتا رہا۔

د: بہت سے اخبارات اور مساجد کے خطیبوں کو مولانا مودودی کے خلاف اشتعال پیدا کرنے کے منصوبے میں استعمال کیا گیا۔

ر: محکمہ تعلقات عامہ نے جماعت اسلامی اور اس کے لیڈر کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے ایک طرف بیشمار پوسٹر شائع کئے اور دوسری طرف اس کے کارکنوں نے دیہات میں گھوم کر خوب پروپیگنڈہ کیا۔

س: کوثر اور تسنیم کو عین اسی زمانے میں بند کیا گیا تاکہ مولینا مودودی غلط فہمیوں کو صاف کرنے کے لئے پریس کی قوت سے مدد نہ لے سکیں۔

ص: مولینا کی طرف سے ۴ ستمبر کو جموں ریڈیو کے پروپیگنڈے کے مقابلے میں ایک تردیدی بیان ریڈیو پاکستان لاہور کو روانہ کیا گیا لیکن اسے نشر نہیں کیا گیا۔

اسی سازشی پروگرام کے تحت مولینا کی گرفتاری کے لئے جو فضا بنائی گئی تھی وہ مورخہ [illegible] کو ختم ہو گئی جب کہ حکومت نے اپنے اعلان مورخہ [illegible] ستمبر [illegible] کی رو سے کشمیر میں اپنی فوجوں کی موجودگی کا اعتراف کر لیا اور انڈین یونین سے کھلم کھلا برسرِ جنگ ہونے کی پوزیشن اختیار کر لی، اور اس کے اس اعلان کے فوراً بعد جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے حکومت کی نئی پوزیشن کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ اب پاکستان کے شہریوں کے راستے

لہ اس مسئلے کے متعلق پوری تفصیلات ترجمان القرآن جلد ۳۲ شمارہ ۴ کے رسائل و مسائل میں پیش کی جا چکی ہیں اور عنقریب رسائل و مسائل کا یہ حصہ علیحدہ پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

سے وہ شرعی رکاوٹ دور ہو گئی ہے جس کے ہوتے ہوئے وہ اپنے کشمیری بھائیوں کے بچاؤ کی جنگ میں براہِ راست حصہ نہیں لے سکتے تھے۔

لیکن اس تغیرِ حالت کے باوجود حکومت کے افسر اور ملازمین اپنی پرائیویٹ صحبتوں میں مولینا مودودی کے خلاف برابر پروپیگنڈہ کرتے رہے اور جب اس کے ۲۰، ۲۲ روز بعد مولانا کی گرفتاری عمل میں لائی گئی تو بھی ان کی طرف سے نجی طور پر یہی کہا جاتا رہا کہ یہ گرفتاری مسئلہ کشمیر کی وجہ سے ہوئی ہے۔

(۳) حکومت کے افسر اور ملازم نجی طور پر تو مسئلہ کشمیر کو بنائے نزاع قرار دے رہے تھے لیکن خود حکومت نے گرفتاری کے موقع پر جو بیان دیا اس میں مسئلہ کشمیر کا کوئی ذکر نہیں تھا بلکہ اس میں دو الزامات عائد کئے گئے تھے۔ ایک یہ کہ مولینا مودودی پاکستان کے دفاع کو کمزور کر رہے تھے اور لوگوں کو بھرتی سے روکتے تھے، دوسرے یہ کہ ملازمین حکومت کی وفاداریوں کو متزلزل کر رہے تھے۔ ان الزامات کی حقیقت بھی ہم بارہا واضح کر چکے ہیں یہاں اس سے بحث نہیں کہ ان میں صداقت کتنی تھی، بلکہ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مختلف مواقع پر کس طرح مختلف الزام گھڑے جاتے رہے ہیں۔

(۴) پھر قرار دادِ مقاصد پر بحث کرتے ہوئے دستوریہ کے اجلاس میں ایک غیر مسلم ممبر نے ہمارے اس دعوے پر یہ معلوم کرنا چاہا کہ آپ غیر مسلم اقلیتوں کے لئے اسلامی حکومت میں جو حقوق دے رہے ہیں، ان کے متعلق خود اسلام کی تعلیمات کیا ہیں — اور اس سلسلے میں اس نے "اسلام کا نظریۂ سیاسی" (مؤلفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی) کا ایک اقتباس پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک مستند عالمِ دین کی لکھی ہوئی کتاب ہے اور اس میں صراحتہً یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو نظم و نسق کے کلیدی مناصب نہیں دیئے جا سکتے۔ اس پر وزارتی بنچوں سے سردار عبدالرب جیسا ذمہ دار شخص اٹھ کر اس غیر مسلم ممبر کو جواب دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ جانتے ہو اس کتاب کا مصنف کس حال میں ہے؟ — اُسے تو داخلِ زندان کیا جا چکا ہے۔

بغیر اس کے کہ اس جملے کو کوئی تاویلی معنی پہنانے کی مصنوعی کوشش کی جائے، اس سے خود بخود فوری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "اسلام کا نظریۂ سیاسی" میں جو خیالات پیش کئے گئے ہیں وہ ایسے تھے کہ حکومت پاکستان کی نگاہ میں ان کے لکھنے والے کے خلاف تعزیری کارروائی کرنا ضروری تھا، اور یہ کہ مولینا مودودی کی گرفتاری

بنی خیالات کی وجہ سے عمل میں آئی ہے۔

اس ایک فقرے نے پچھلی ساری الزام تراشیوں کا وزن ختم کر دیا۔

(۵) اس کے بعد آخری مرتبہ جو تازہ اضافہ مولینا مودودی اور ان کے رفقاء کی میعادِ نظر بندی میں کیا گیا ہے، اس کو حق بجانب ثابت کرنے کیلئے جو بیان پبلک کے سامنے رکھا گیا ہے، اس میں ان حضرات کے متعلق متعین طور پر کوئی الزام عائد کیا ہی نہیں گیا، بلکہ ملعون مغربی ڈپلومیسی کا انداز اختیار کرتے ہوئے عوام الناس کو مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ یوں کہ پہلے سیفٹی ایکٹ اور سیفٹی آرڈیننس کے استعمال کو جائز ثابت کرنے کے لئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان قوانین کو برقرار رکھنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ غیر ملکی طاقتوں سے ساز باز رکھتے ہیں اور پاکستان میں جاسوسی کرتے ہیں، وغیرہ ـــ اور ایسے لوگوں سے نمٹنے کیلئے ان قوانین کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ یہ بات کہنے کے بعد دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ ہم بڑی ہی احتیاط سے ان قوانین کو ان کے صحیح محل استعمال پر ہی استعمال کرتے ہیں یعنی صرف غیر ملکی ایجنٹوں اور جاسوسوں ہی پر ان کے تحت ہاتھ ڈالتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد یہ ارشاد ہوتا ہے کہ اس محتاط استعمال کی وجہ سے صرف تین کمیونسٹ اور تین جماعت اسلامی کے افراد ـــ کل چھ ـــ نظر بند ہیں۔

اس بیان میں نہایت چالاکی سے مولینا مودودی اور ان کے رفقاء پر دشمن کی جاسوسی اور غیر ملکی طاقتوں سے ساز باز کا الزام عائد کیا گیا ہے کہ ان مظلومین کے خلاف شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں تو خوب پیدا ہو سکیں لیکن اگر اس بیان کو عدالت یا پریس میں چیلنج کیا جائے تو بات یوں ٹالی جا سکے کہ ان حضرات کے متعلق تو کوئی چیز ثابت نہیں ہوئی، وہ تو ہم نے سیفٹی قوانین کی اہمیت کے بارے میں ایک عام اصولی چیز بیان کی تھی۔ بہر حال اس بیان میں ایک نیا الزام چپکنے کی غیر دیانتدارانہ کوشش کی گئی ہے، یہ الگ بات ہے کہ

سلا یہ کتنی زیادتی ہے کہ کچھ لوگوں کو تعلق پبلک سے منقطع کر کے اور ان کو الزام تراشیوں کا جواب دینے کی قدرت سے محروم کر کے ان کے خلاف عوام میں غلط فہمیاں پھیلائی جائیں۔ پھر ستم کی انتہا یہ ہے کہ مولینا مودودی نے اس مغالطہ انگیز بیان کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے جو تردیدی خط جیل سے حکومت کے چیف سیکرٹری کو لکھا ہے، اسے مولینا کی خواہش کے خلاف پبلک کے سامنے لانے کے بجائے سیکرٹریٹ کے دفتروں میں دفن کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے ناکام بنا دیا اور مطلوبہ غلط فہمی نہ پھیل سکی۔

(۶) پھر اس کے بعد کراچی کے سرکاری حلقوں میں اندر ہی اندر ایک افواہ پھیلائی گئی کہ مولینا مودودی جیل سے جو خطوط لکھتے رہے ہیں وہ بڑے سخت ہیں اور نظر بندی میں اضافہ کی اصل وجہ یہی خطوط ہیں۔[ا]

(۷) لائل پور میں وزیر داخلہ کی خدمت میں چند اسلام دوست اصحاب حاضر ہوئے اور انہوں نے دریافت کیا کہ آخر مولینا مودودی کی رہائی میں ان کا کونسا قصور حائل ہے۔ جواباً ارشاد ہوا کہ مولینا مودودی تو خیر، ان کا خلیفہ (یعنی میاں طفیل محمد سابق قیم جماعت اسلامی) بڑا خراب آدمی ہے۔

(۸) ان ساری الزام تراشیوں پر معاملہ بس نہیں کر گیا، بلکہ "مقطع کا بند" وہ آخری الزام ہے جو وزیر اعظم پاکستان نے مشرقی پاکستان کے گذشتہ دورے میں مقام ڈھاکہ مولانا مودودی پر عائد فرمایا ہے۔ ہماری رائے میں یہ الزام اصل بنائے نزاع کو بہت صفائی سے سامنے لے آتا ہے۔ بدیں وجہ اس پر تفصیلی کلمات عرض کرنے کی ضرورت ہے

مشرقی پاکستان میں دینی حس نسبتہً زیادہ پائی جاتی ہے اور اس وجہ سے وہاں علمائے دین کی اہمیت سیاسی معاملات میں خاصی ہے۔ پھر وہاں کے علما مطالبہ اسلامی نظام کے مخلص مؤید رہے ہیں اور وہ اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے بہر حال بے چین ہیں خصوصیت سے مشرقی پاکستان کی جمعیت علمائے اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودی کو مطالبہ نظام اسلامی کے محرک کی حیثیت سے قدر کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اور جمعیت کے منتظمین کے اکثر ذمہ دار علما یہ جانتے ہیں کہ مولینا کی نظر بندی کی اصل وجہ کیا ہے چنانچہ جب وزیر اعظم اکتوبر ۱۹۵۲ء میں ڈھاکہ تشریف لے گئے تو یہ وہ وقت تھا کہ انکی حکومت کو مولانا مودودی اور انکے رفقاء کی میعاد نظر بندی میں تازہ ترین اضافہ کئے ہوئے چند ہی روز گذرے تھے۔ اس موقع پر علماء کے دل خاص طور پر متاثر تھے چنانچہ جمعیت علمائے اسلام کا ایک وفد وزیر اعظم صاحب سے ۱۵۔ اکتوبر کو ملا۔ اس وفد کی طرف سے گفتگو کے دوران میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ مولینا مودودی کو کیوں رہا نہیں کیا جاتا۔ جواباً وزیر اعظم فرماتے ہیں:

[ا] یہ سارے خطوط مولانا کے اعزہ اقربا کے پاس محفوظ ہیں اور عند الضرورت ہم ان کو شائع بھی کر سکتے ہیں۔ ان میں جذبہ حمیت، حق اور صبر و استقامت کی اسپرٹ کے سوا اور کسی چیز کا مظاہرہ نہیں ہے جس پر گرفت کی جا سکے۔

"ابھی نہیں" ——— "وہ انتشار پھیلاتے ہیں۔"

ظاہر بات ہے کہ حضرات علماء کے لئے یہ جواب اطمینان بخش نہیں تھا۔ وہ محض لفظ "انتشار" پر تو کوئی حکم نہیں لگا سکتے تھے، بلکہ اس کا کوئی متعیّن مفہوم سامنے آنا چاہیئے تھا۔ چنانچہ دو چار جملوں کے بعد انہوں نے پھر سوال کیا کہ آخر مولینا مودودی کا جرم کیا ہے؟ جواباً ارشاد ہوا کہ:

"میں نے کہا نا، کہ مولانا مودودی انتشار پھیلاتے ہیں، وہ پاکستان کے امیر المومنین بننا چاہتے ہیں۔ پاکستان تو ابھی بنا بھی نہیں، جن سے تو پھر سب کا جو جی چاہے بنتا رہے!"

اس تازہ ترین الزام تراشی کی حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے ہم چند اشارات عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں:۔

ا:۔ الزامات کی جو فہرست اوپر پیش کی جا چکی ہے اس کے ساتھ اس الزام کو شامل کر کے سوچیئے کہ کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ایک حقیقت تو اس سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت مولینا کی نظر بندی کے لئے کوئی مستقل موقف نہیں رکھتی، بلکہ بار بار موقعہ بموقعہ ایک نئی بات گھڑ کر بیان کر دینے کا طریق کار اختیار کیا گیا ہے۔ دوسرا نتیجہ اس بیان سے از خود یہ نکلتا ہے کہ تمام سابق الزامات محض دفع الوقتی کے لئے تھے اور اصل بنائے نزاع شروع سے آخر تک یہی تھا کہ کہیں مولینا مودودی "بیدا ف دی سنیٹ" نہ بن جائیں۔

ب:۔ وزیر اعظم کا علماء سے یہ فقرہ کہنا کہ "مولینا مودودی امیر المومنین بننا چاہتے ہیں" اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ مخاطب حضرات کا خاص لحاظ کرتے ہوئے یہ بات کہی گئی تھی اور اس فقرے کے پس منظر وزیر اعظم صاحب کا ذہن علماء کے متعلق ایک افسوسناک نظریہ چھپائے ہوئے ہے۔ علماء کے سوال کرنے پر انہوں نے سوچا کہ ان "مولویوں" کو کوئی ایسی بات بتانی چاہیئے جس سے یہ اس قید کو بلا تامل مناسب تسلیم کر لیں۔ انکی رائے میں مولوی پیدائشی تنگدل اور حاسد ہوتا ہے اور وہ یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی مذہبی منصب اس کے مقابلے میں کسی دوسرے کو حاصل ہو جائے۔ علماء کے متعلق اسی حسن ظن کی بنا پر انہوں نے فوراً یہ الزام برسرِ موقع تصنیف کر ڈالا کہ "وہ امیر المومنین بننا چاہتا ہے" اور اسے

اس اطمینان کے ساتھ بیان کر دیا کہ ان کے مخاطب جتنے علما ہیں وہ سب کے سب یہ بات سُن کر دل ہی دل میں اُنکا شکریہ ادا کرینگے کہ ایسے خطرناک آدمی سے انہوں نے علما کو بچالیا۔

ج: اس الزام میں کوئی وزن جب ہو سکتا تھا کہ وزیر اعظم صاحب اس کے ثبوت کیلئے کوئی دلائل و شواہد بھی بیان فرماتے۔ سوال یہ ہے کہ آپکو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ فلاں شخص امیر المومنین بننا چاہتا ہے۔ اگر آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے تو پیش فرمائیں اور اگر یہ محض ایک نتیجہ ہے جو اس بات سے نکال لیا گیا ہے کہ وہ شخص اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش کر رہا تھا اور اس کی تشکیل کی صورتیں بتا رہا تھا تو خود آپکا مسلم لیگ کی تحریک کیلئے کوشش کرنا آخر یہ نتیجہ نکالنے کیلئے کیوں نہ کافی ہو کہ آپ یہ سب کچھ وزیر اعظم بننے کیلئے کر رہے تھے؟ اور اسطرح کے الزام سے دنیا کی اگلی پچھلی شخصیتوں میں سے آخر کون بچ سکتا ہے؟

پھر اگر آپکا وزیر اعظم بن جانا کوئی گناہ نہ تھا تو کسی اور کا امیر المومنین بن جانا آخر کونسا گناہ ہو جاتا جس کی روک تھام کی آپکو یہ فکر کرنی پڑی؟ کیا سب کچھ بن جانے کے پیدائشی حقوق صرف آپ ہی کے لئے مخصوص ہو چکے ہیں۔

آخر وہ کونسا آئین و قانون ہے جس کی رُو سے آپکے جمہوری نظام میں کسی شخص کیلئے یہ بات جرم ہو کہ وہ ہیڈ آف دی سٹیٹ بننا چاہتا ہے۔ جمہوری نظام کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ اس میں اقتدار کی کرسی کسی کے باپ کی جائداد نہیں ہوتی، بلکہ ہر شخص پبلک کی تائید حاصل کرکے اس پر قبضہ کر سکتا ہے۔ وزیر اعظم صاحب نے یہ کونسی نرالی جمہوریت ایجاد فرمائی ہے جس میں سب کچھ بن جانا صرف اپنی کا پیدائشی حق ہے اور دوسروں کیلئے یہ جرم مستلزم سزا ہے؟

اور پھر تضاد دعوٰی کی یہ ایک افسوسناک مثال ہے کہ وزیر اعظم صاحب اپنی اسلامی ریاست کے بارے میں دستوریہ کے بھرے اجلاس میں کھڑے ہو کر غیر مسلم اقلیت کو تو یہ یقین دلائیں کہ اس ریاست کے نظم و نسق کا سربراہ کار — یعنی امیر المومنین — ایک غیر مسلم تک بن سکتا ہے، لیکن ایک مسلمان کیلئے یہ منصب شجر ممنوعہ ہے؟ کیا کہنے ہیں اس اسلامی ریاست کے!

بھی وہ قدرتِ الزامات جن میں سے ہر الزام کسی دوسرے کا ناسخ بھی ہے اور کسی دوسرے کے ذریعے منسوخ بھی ہو جاتا ہے۔

اب اربابِ حکومت کا ایک اور دلچسپ تضاد بھی ہم بیان کئے دیتے ہیں جس کے ذریعے واقعات کو سمجھنے میں مزید سہولت ہوگی

پبلک یہ جاننے کے لئے ہمیشہ بیتاب رہی ہے کہ مولینا کی گرفتاری، نظر بندی اور اس میں مسلسل اضافوں کی اصل ذمّہ داری کس پر ہے؟ ۔۔۔ پنجاب کی سی آئی ڈی پر، وزارت پنجاب پر یا مرکزی کابینہ پر؟ اس سوال کا کوئی متعین جواب آج تک نہیں مل سکا۔ بلکہ اس پہلو سے بھی "جتنے منہ اتنی باتیں" کی کیفیت سمجھ میں آتی ہے۔ حسب ذیل ارشادات قابل غور ہیں:۔

(۱) "انجام" مورخہ ۱۶ رمئی ۱۹۵۳ء کی جس خبر کو اوپر درج کیا گیا ہے اس سے صراحتہ یہ اشارہ ملتا ہے کہ جماعت اسلامی کے خلاف سخت گیرانہ طرز عمل اختیار کرنے میں مرکزی حکومت ہی نے پہل کی ہے اور اس سلسلے میں اس نے ضروری احکام جاری کئے ہیں۔ یہ مرکزی حکومت ہی تھی جس کی نگاہ میں مولینا مودودی سب سے پہلے خطرہ بنے اور انکی سرگرمیاں تشویشناک ہوگئیں

(۲) گرفتاری سے چند ہی روز قبل وزیر داخلہ پاکستان مولینا سے ملاقات فرماتے ہیں اور ان سے ان تمام مسائل کے بارے میں تصریحات معلوم کرتے ہیں جو ان دنوں زیر بحث تھے۔ اس ملاقات کے بعد فوراً ہی گرفتاری عمل میں آجاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مولینا کی سرگرمیوں سے (DEAL) کرنا صوبائی حکومت کا کام تھا تو وزیر داخلہ کو خاص ملاقات کرنے کی ضرورت کیا تھی اور اگر وزیر داخلہ نے ملاقات کی تھی تو کیا وہ ہے کہ انہوں نے مولینا کے معاملے میں صوبائی حکومت کو منہائی ہم نہ پہنچائی۔ یہ ملاقات اس بات کی گواہ ہے کہ مولینا کے معاملے میں مرکزی حکومت براہ راست دلچسپی لے رہی تھی۔

لیکن ہائی کورٹ میں مولینا محمد علی قصوری کی ہیبس کارپس کی درخواست پر جب مولینا مودودی کی نظربندی کا مسئلہ زیر بحث آیا تو سرکاری نمائندے نے یہ بیان دیا کہ گرفتاری کی کارروائی ڈی ایس پی سی آئی ڈی

نے بطورِ خود کی تھی، اوپر کی کسی اتھارٹی کا کوئی فیصلہ اس بارے میں نہ تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہے کہ ابتداءً گرفتاری اور پھر نظر بندی میں اضافے صوبائی سیفٹی ایکٹ ہی کے تحت ہوئے ہیں اور بظاہر مرکز سے اس معاملے کو کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیئے لیکن مرکزی اکابر کے بیانات کچھ اور ہی شہادت دیتے ہیں (جنکا ذکر کیا جا رہا ہے)

(۳) مرکزی حکومت کی طرف سے تین ذمہ دار ہستیوں کے بیانات اس بات پر صاف صاف دلالت کرتے ہیں کہ مرکز مولینا کی نظر بندی اور اس میں اضافوں کے معاملے سے بے تعلق نہیں ہو سکتا، بلکہ الٹا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ مرکزی پالیسی کے تحت ہوا ہے۔ پہلا بیان قرار دادِ مقاصد کی بحث کے دوران میں سردار نشتر کا ہے، دوسرا بیان وزیر داخلہ خواجہ شہاب الدین صاحب کا ہے جو آپ نے لائلپور میں ایک وفد کے سامنے دیا ہے، تیسرا بیان خود وزیر اعظم کا ہے جو موصوف نے ڈھاکہ میں علما کے جواب کے طور پر ارشاد فرمایا۔ ان تینوں بیانات کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ یہاں صرف یہ واضح کرنا مطلوب ہے کہ ان بیانات نے مولینا کی نظر بندی کی ذمہ داری براہِ راست مرکز پر ڈال دی ہے۔

حالانکہ بظاہر سارا معاملہ صوبائی سیفٹی ایکٹ کے تحت تھا اور صوبائی حکومت ہی تک اس کی ذمہ داری محدود رہنی چاہیئے تھی

ان اشارات پر غور فرمائیے۔ یہ ظاہر ہے کہ ہائیکورٹ میں نمائندہ حکومت نے مولینا کی گرفتاری کی ذمہ داری اگر ڈی، ایس، پی (سی آئی ڈی) پر ڈالی ہے تو ہم اس کی قطعی تردید تو نہیں کر سکتے، لیکن یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ڈی، ایس، پی کا یہ کام نہیں کہ (انجام کی خبر کے مطابق) جماعت اسلامی کے متعلق اس نے سخت کارروائی کرنے کا کوئی فیصلہ کراچی کی سرکاری فضاؤں میں کیا ہو، پھر ڈی، ایس، پی کا یہ کام بھی نہیں کہ اس نے ایک نیم سرکاری آدمی کو مولینا کے پاس ایک خاص مسئلہ کرید کر معلوم کرنے کے لئے بھیجا ہو، پھر ڈی، ایس، پی کا یہ کام بھی نہیں کہ اس نے آزاد کشمیر ریڈیو سے، ملک کے اخبارات کے ذریعے اور سرکاری علماء کی مدد سے مولینا مودودی کے خلاف بدگمانیاں اور اشتعال پھیلانے کی کوئی مہم شروع کی ہو، پھر ڈی، ایس، پی کا یہ کام بھی نہیں کہ اس نے خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ پاکستان کو مولینا کی گرفتاری عمل میں لانے سے قبل مولینا سے ملاقات کرنے کا مشورہ دیا ہو، پھر ڈی، ایس، پی کا یہ

کام بھی نہیں کہ محکمہ تعلقات عامہ کے ذریعے اس نے ایک خاص طرح کا پروپیگنڈا کیا ہو۔ اور نہ یہ کام اسکے کرنیکا تھا کہ کسی نے کو نظر بند کو چپ چاپ کیلئے پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت بند کیا ہو۔ یہ سارے کام تو جنرل ڈی ایس پی سی آئی ڈی کے حیطۂ فرائض سے بالا تر ہیں

اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مولینا مودودی اور انکے رفقاء کی نظربندی کے بارے میں ہمارے اکابر کی روش میں کتنے کھلے کھلے تضاد موجود ہیں۔ یہ تضاد بتاتے ہیں کہ امر واقعہ کچھ اور ہے اور ظاہراً اسے دوسری شکل دینے کی کوشش کی جاتی رہی ہیں۔

حکومت کی مذکورہ پوزیشن کو ملک میں عوامی پیمانے پر محسوس کیا جا چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج پاکستان کا کوئی بڑا شہر، قصبہ یا دیہی علاقہ ایسا نہیں ہے جہاں سے مولینا مودودی اور انکے رفقاء کی رہائی کیلئے بار بار مطالبے نہ ہو چکے ہوں۔ اگر ایسا کوئی علاقہ یا مقام ہمیں بتایا جائے تو ہم وہاں سے اب بھی عوامی رجحانات کا کھلا کھلا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہم پورے دعوے سے یہ بات کہتے ہیں کہ پورے پاکستان میں یا اسکے کسی ایک شہر میں ــــ جس میں ارباب حکومت اپنا اثر زیادہ سے زیادہ مؤثر محسوس کرتے ہوں ــــ استصواب کرالیا جائے کہ لوگ مولینا مودودی اور انکے رفقاء کی نظربندی کے حق میں ہیں یا انکی رہائی چاہتے ہیں!

پھر اس ملک میں کوئی اہم سیاسی و دینی جماعت ــــ بجز مسلم لیگ کے ــــ ایسی نہیں ہے جو مولینا کی نظربندی کے خلاف اظہار بیزاری نہ کر چکی ہو۔ اخبارات کی کثرت نے پورے زور سے گذشتہ ستمبر میں مولینا کی رہائی کیلئے کوٹ شکنی کر کے اپنے جذبات کا اظہار کر چکی ہے۔ مختلف سیاسی لیڈر اور حضرات علماء مولینا کی نظربندی کے خلاف اپنے اقتباسات میں احتجاج کر چکے ہیں۔ خود جماعت اسلامی کے زیر اہتمام پاکستان بھر میں آج تک جتنے جلسہ ہائے عام ہوئے ہیں ان میں سے قریب قریب ہر ایک میں پوری عوامی تائید کے ساتھ مطالبہ رہائی کے ریزولیوشن پاس ہو چکے ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو ہی سکوت کے اکابر کے سامنے رہ جانے میں بار بار اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہے ہیں اور وہ مولینا کی نظربندی کے صدمے کی پھانس سینے میں لئے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔

علاوہ بریں ہمارے اکابر کو تجربہ ہو چکا ہے کہ وہ جدھر رخ کرتے ہیں ہر طرف سے مولینا مودودی کی نظربندی کے بارے میں سوال بھی ہوتا ہے اور احتجاج بھی۔ چنانچہ وزیراعظم مشرقی پاکستان گئے تو وہاں یہی ہوا۔ وہ صوبہ سرحد میں تشریف لے گئے تو ضلع ہزارہ میں ایک مقام پر کھلے جلسے میں ان سے لوگوں نے یہی سوال کیا اور بار بار...

جاتے ہیں تو ان کے سامنے یہی مسئلہ آتا ہے، یہاں تک کہ وہ حج پہ گئے تو عرب میں بھی اس مسئلے نے انکا خیر مقدم کیا اور حرم نبوی کے ایک دربان نے انکا بازو تھام کے اُن سے پوچھا کہ تم لوگ مولٰنا مودودی کو قید میں رکھ کر خدا کو کیا جواب دو گے؟ ـــــ اور جواب کہاں تھا!

ہمارے محترم اکابر کو ان حالات کے پیش نظر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کا اخلاقی موقف بہت ہی کمزور ہو چکا ہے اور اس کمزور موقف کے ساتھ اگر انہوں نے اپنے ظلم کو مزید کچھ عرصہ کیلئے جاری رکھا تو اس کے نتائج خود انکے حق میں اچھے ثابت نہ ہونگے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب محاسبے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اسکی گرفت بہت ہی سخت ہوتی ہے۔

ہم اپنے حکمرانوں کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ وہ حسب ذیل صورتوں میں سے کسی ایک کو اختیار فرمائیں:

(۱) مولٰنا مودودی اور انکے رفقاء کے خلاف وہ صریح کوئی متعین جرم عائد کریں اور پھر اسے کسی باقاعدہ عدالت[1] کے سامنے لے آئیں جو ملزم کو جواب دعویٰ پیش کرنیکا پورا پورا موقع دے اور پھر پبلک ٹرائل کے تحت معاملے کا باقاعدہ فیصلہ ہو۔

(۲) حکومت سارے الزامات مرتب کر کے دلائل سمیت پریس کے حوالے کر دے اور دوسری طرف مولٰنا مودودی اور انکے ساتھیوں کو حق دیا جائے کہ وہ بھی اُس کا جواب پورے دلائل کے ساتھ قلمبند کر کے پریس کو دے دیں۔ اس طرح حکومت کی فرد قرار داد جرم اور اس کا جواب تمام اخبارات میں پہلو بہ پہلو شائع ہو جائیں۔ اس کے بعد پبلک خود فیصلہ کریگی کہ حق کس طرف ہے اور ظلم کدھر سے ہو رہا ہے۔

(۳) ایک پبلک جلسہ منعقد کر کے سامنے حکمران اپنا دعویٰ صاف صاف طریق سے بیان کر دیں اور دوسری

---

[1] موجودہ سیفٹی ایکٹ اور سیفٹی آرڈیننس کے تحت کی تجویزہ ہوا کی جوڈیشل جانچ پڑتال کے لئے جو دفعہ شامل ہے، وہ عدالت کو باقاعدہ عدالتی کارروائی کا کوئی موقع نہیں دیتی، کیونکہ اس دفعہ کے تحت عدالت صرف حکومت کے فراہم کردہ کاغذات پر نظر ڈالنے کی مجاز ہے اور حکومت کی اجازت کے بغیر وہ براہ راست ملزم کو اظہار دینے کے لئے طلب نہیں کر سکتی۔ پھر اگر ملزم کو طلب کرنے کا موقع مل بھی جائے تو وہ اس امر کا اختیار نہیں رکھتی کہ اصل الزام اور بنائے گرفتاری پر شہادتیں لے کر تحقیقات کرے اور اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دے۔ پھر اگر وہ کوئی فیصلہ دے تو بھی اس کی یہ حیثیت نہیں کہ وہ براہ راست عدالت کے حکم سے نافذ ہو جائے بلکہ وہ فیصلہ بطور ایک سفارش کے مدعی یعنی حکومت کے سامنے رکھا جاتا ہے، اور وہ چاہے تو اسے جوں کا توں قبول کرے، چاہے تو اس میں ترمیم کرے اور چاہے تو اسے رد (REJECT) کر دے۔ اس قسم کی عدالتی کارروائی مطلوب نہیں، بلکہ یہ تو قانون و عدالت کا مذاق ہے۔

طرف سے اس دعویٰ کا جواب پیش کر دیا جائے۔ پھر حاضرین خود ہی فیصلہ کر لیں گے کہ اصل بنائے نزاع کیا ہے، اور زیادتی کرنے والا کون ہے۔

(۴) کسی بند کمرے میں چیدہ علماء، صحافیوں اور سیاسی لیڈروں کی ایک سنجیدہ مجلس منعقد کر کے دو طرفہ بیانات اس کے سامنے رکھ دیئے جائیں اور وہ "اسلامی عدل" کی رُو سے معاملے کو طے کرے۔

(۵) رائے عامہ سے استصواب کر لیا جائے۔

ان پانچوں صورتوں میں سے اگر حکومت کسی کو قبول کرنے کی اخلاقی جرأت نہ رکھتی ہو تو پھر مردانگی کی راہ صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے اکابر پوری صفائی سے یہ اعلان کر دیں کہ مولانا مودودی اور انکے رفقاء جس تحریک اقامت دین کو لے کے اُٹھے ہیں، ہم اسکے روادار نہیں ہیں، نیز ان حضرات کی سرگرمیوں کی وجہ سے ہماری کرسیوں کو خطرہ ہے، اسلئے ہم مجبور ہیں کہ ان پر تشدد کریں اور انکی شہری آزادی پر ہاتھ صاف کریں۔ اگر ہمارے حکمران یہ اعلان کر دیں تو پھر انکا معاملہ سامنے سے ہوگا، اور اس صورت میں ہم انکی کسی زیادتی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی ضرورت نہ سمجھیں گے بلکہ فراخدلی سے ظلم و تشدد کے سارے وار سہتے ہوئے اپنا کام کرتے چلے جائیں گے —— انشاء اللہ العزیز!

لیکن اگر خدا نخواستہ ہمارے ارباب اقتدار اونچی کرسیوں پر بیٹھ کر اس بات کے منتظر ہوں کہ جماعت اسلامی کا کوئی وفد انکی خدمت میں مولانا مودودی اور ان کے رفقاء کی رہائی کیلئے درخواست لے کے حاضر ہوگا، یا ان کے بارے میں کچھ لوگ "دربارِ عالی" میں صفائی دینے کو پیش[1] ہونگے تو اس معاملے میں ہم انکو ہمیشہ کیلئے مایوس کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ مولانا مودودی اور انکے رفقاء کا "مقدس جرم" اس سے بہت بلند ہے کہ اسکے بارے میں کوئی صفائی کسی کے سامنے پیش کی جائے یا اُس جرم پر جو سزا دی جا رہی ہو اس میں تخفیف کیلئے درخواستِ رحم کسی کے سامنے رکھی جائے۔ یہ جرم بندگانِ حق کے لئے ہمیشہ قابلِ فخر رہا ہے اور اس جرم کی عقوبتیں ہمیشہ زندگی بخش ثابت ہوئی ہیں۔

ان کلمات سے ہمارا مدعا یہ نہیں ہے کہ ہم کو اپنے حکمرانوں سے ملنے میں کوئی عار ہے۔ یا اس معاملے میں کوئی کبر و نخوت کا جذبہ حائل ہے۔ ہرگز نہیں! ہم یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے دین کی دعوت اونچے سے اونچے اور نیچے سے

[1] ہم بہت سی ایسی باتیں بہ تفصیل جانتے ہیں جن سے ہمارے حکمرانوں کے دلوں میں اپنی ذاتی رنجش کے موجود ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو ہم ان کو بھی پیش کر دینگے۔

نیچے لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے، اور اللہ جتنی جتنی توفیق ہمیں دیتا ہے اس کیلئے مواقع پیدا کرنے میں ہم کوتاہی نہیں کرتے۔ لیکن دعوت پہنچانے کیلئے ملاقات کرنا اور چیز ہے اور اپنے رفقاء کیلئے درخواست رہائی لے کے حاضر ہونا چیزے دیگر! یہ انتہائی ذلیل حرکت ہے جسے تحریکِ اسلامی کا مزاج گوارا نہیں کرتا۔

اس بات کے دروازے تو بہرحال کھلے تھے کہ اگر ہمارے حکمران جماعت سے کسی معاملے میں ضروری تصریح طلب کرتے تو بلا کم و کاست اصل حقیقت انکے سامنے رکھ دی جاتی، جیسا کہ اس سے پہلے خواجہ شہاب الدین صاحب وزیر داخلہ اور نواب ممدوٹ (سابق وزیر اعظم مغربی پنجاب) نے بعض معاملات میں مولانا مودودی سے براہِ راست گفتگو کرنے کے مواقع نکالے تھے، اور مولانا نے ہر معاملے میں صاف صاف اپنی رائے ان حضرات کے سامنے رکھ دی تھی۔ اس کے دروازے آج بھی کھلے ہیں۔

لیکن یہ بہرحال اسلامی تحریک کے مزاج کے خلاف ہے کہ اربابِ اقتدار کے سامنے مولانا مودودی کے لئے آزادی کی بھیک مانگی جائے۔ خدا ہمیں غیرتِ دینی اور صبر و استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اصل مقاصد جن کے لئے مولانا اور انکے رفقاء کو نظر بند رکھا گیا ہے، ان سے اب ملک ناواقف نہیں ہے، اور وہ یہ ہیں:-

(۱) مولانا کی نظر بندی کا مرکزی مقصد ابتداءً تو یہ تھا کہ "مطالبۂ نظامِ اسلامی" کی مہم کو شکست دی جائے لیکن اس میں ہمارے لیڈروں کو ناکامی ہو چکی ہے اور تحریکِ مطالبہ نے انکو قراردادِ مقاصد منظور کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چنانچہ اب مولانا کو آزاد نہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قراردادِ مقاصد کے الفاظ سے قوم کو مطمئن رکھ کر عمل کے خطوط وہ اختیار کئے جائیں جو قراردادِ مقاصد کی عین مخالف سمت کو لے جاتے ہوں۔ ہمارے اس دعوی پر بیشمار واقعاتی شواہد موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ہماری قیادت کے قول و فعل کا تضاد عوام پر پوری طرح واضح ہو چکا ہے اور اس تضاد کے خلاف انتہا درجے کی بیزاری کارفرما ہے۔ یہ بیزاری ایک صالح انقلاب پر منتج ہو کے رہیگی۔

(۲) مولانا کی روز افزوں مقبولیت کا سدِّباب کرنا بھی ہمارے کابینہ کے پیش نظر ہے لیکن وہ یقین جانیں کہ موصوف کی نظر بندی اس معاملے میں بالکل الٹا نتیجہ پیدا کر رہی ہے۔

(۳) شاید ہمارے حکمران یہ بھی گمان رکھتے ہیں کہ مولانا اور ان کے ساتھیوں کو قید و بند کے ذریعے ان کے

اصولوں سے ہٹایا جا سکتا ہے یا ان کے عزائم کو کمزور کیا جا سکتا ہے لیکن انہیں معلوم ہو چکا ہو گا کہ ان کی یہ توقعات بھی پوری ہونے والی نہیں ہیں۔

(۴) شاید یہ بھی سوچا گیا ہو کہ ان حضرات کی نظر بندی کی طوالت جماعت اسلامی کے نظم کو تہ و بالا یا اس کے حوصلوں کو پست کرنے میں نتیجہ خیز ثابت ہو گی، لیکن خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جماعت نے اپنے نظم کو سنبھال، اپنی سرگرمیوں کو بدستور جاری اور اپنے حوصلوں کو ٹھیک معیار پر قائم رکھا ہے۔

(۵) آخری چیز جو اکابر کے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ مولینا کو نظر بند رکھ کر انتخابات منعقد کرلئے جائیں، تاکہ عوام ان سے اثر پذیر ہو کر ان کی پارٹی مقبوضہ کرسیوں سے ان کو محروم نہ کردیں لیکن قطع نظر اس سے کہ ایسے انتخابات جن کے لئے ایک آزادانہ فضا مہیا نہ کی گئی ہو اور جن کو منعقد کرتے ہوئے اپنے سے اختلاف کرنے والوں کو محبوس رکھا گیا ہو کبھی بھی ملک کی فلاح کا موجب نہیں ہو سکتے یہ حقیقت واضح ہے کہ آنے والے انتخابات بہرحال ایک گونہ انقلاب بپا کرنے کا ذریعہ ثابت ہونگے۔ اس طرح ادنیٰ ادنیٰ تدابیر سے شخصی اور گروہی مفاد کی حفاظت کرنا زیادہ دیر تک ممکن نہیں ہے۔

یہ ہیں نظر بندی کے اصل مقاصد لیکن ان میں ہمارے لیڈروں کو بہرحال کبھی کامیابی نہ ہو سکے گی

بہرحال آخر میں ہم اپنے فرمانرواؤں سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ دنیا کو آپ غلط فہمیوں میں مبتلا رکھنے میں کتنی ہی کامیابی کیوں نہ حاصل کرلیں، سوال یہ ہے کہ قرار داد مقاصد کو پاس کرنے کے بعد مولینا مودودی اور ان کے ساتھیوں کو جیل میں رکھ کر آپ آخر خدا کو کیا جواب دینگے؟ براہ کرم قرآن کھول کے اس میں یہ آیت ملاحظہ فرمائیے:-

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَھُمْ عَذَابُ جَھَنَّمَ وَلَھُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ مباحث

"اسلامی ریاست"

اطاعت کے شرائط و حدود

(از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی)

اسلامی نظامِ اطاعت

اسلام میں جس طرح اللہ کی اطاعت کے لئے رسول کی اطاعت لازم ہے اسی طرح رسول کی اطاعت کے لئے اس کے خلفاء اور نائبوں یعنی اولوالامر کی اطاعت لازم ہے۔ اگر کوئی شخص رسول کی اطاعت کے بغیر یہ سمجھ بیٹھے کہ اس نے اللہ کی اطاعت کا حق ادا کر دیا تو وہ اسلام اور اس کے نظام سے بالکل بے بہرہ ہے۔ اللہ تعالٰے کی مرضی اور اس کے احکام و قوانین کا علم دنیا کو اس کے رسولوں ہی کے واسطہ سے ہوتا ہے اور وہی زمین میں ان کے جاری و نافذ کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اس وجہ سے اللہ کی اطاعت کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔ اس کے بغیر اللہ کی اطاعت کا سرے سے کوئی مفہوم ہی نہیں ہے۔ اسی طرح رسول کی اطاعت کے حق سے سبکدوش ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے خلفا اور نائبوں کی اطاعت کی جائے۔ کیونکہ رسول کے بعد درحقیقت وہی ہیں جن پر اللہ تعالٰی کے احکام و قوانین کے اجراء و نفاذ اور شرعِ اسلامی کے قیام و استحکام کی ذمہ داری منتقل ہوتی ہے۔ لہٰذا رسول کی اطاعت کا حق ادا نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نائبوں یا بالفاظ دیگر امام اور اولوالامر کی اطاعت نہ کی جائے۔ اللہ، رسول اور اولوالامر کے درمیان یہ تعلق ایسا لازمی اور ضروری ہے کہ اسکو کسی حالت میں بھی توڑا نہیں جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام کی زنجیر میں یہ تینوں کڑیاں بالکل متصل اور یکے بعد دیگرے واقع ہوئی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی اگر آپ توڑ کر علٰحدہ کرنا چاہیں تو بیک وقت تینوں ہی ٹوٹ جائیں گی بلکہ اسلامی نظام کی پوری زنجیر ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو کے رہ جائیگی

سورۂ نساء میں ان کے اسی باہمی تعلق کو واضح کرنے کے لئے ان تینوں اطاعتوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا گیا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (۵۹۔ النساء)	اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو اولوالامر ہیں ان کی اطاعت کرو۔

پھر اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اچھی طرح واضح فرما دیا ہے:-

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من اطاعنی فقد اطاع الله ومن اطاع الامام فقد اطاعنی۔ ومن عصانی فقد عصی الله ومن عصی الامام فقد عصانی۔ (بخاری، کتاب الاحکام)	ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے امام کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امام کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

اس حدیث میں امام کے لفظ سے مراد رسول کا نائب اور اس کا خلیفہ ہے جو اپنے امراء و عمّال کے ساتھ اس شرعی جماعت کی حیثیت حاصل کرتا ہے جس کو قرآن مجید نے "اولوالامر" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور جو اسلامی ریاست کے تمام مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہے خواہ اُن کا تعلق مسائل و احکام کے اجتہاد و استنباط سے ہو یا قوانین کے اجراء و نفاذ اور امن و عدل کے قیام سے۔

خلافت راشدہ اور اس کے امتیازات | رسول کے ساتھ اس گہرے اور ناقابل شکست تعلق کی وجہ سے اولوالامر کی اس جماعت کے ہاتھوں جو نظام سیاسی وجود میں آتا ہے اسکو "خلافت راشدہ" یا "خلافت علی منہاج السنۃ" کہتے ہیں اور اسکو بہت سے ایسے حقوق و امتیازات حاصل ہو جاتے ہیں جو رسول کے سوا اسلام میں کسی اور کو حاصل نہیں۔ ان میں سے بعض باتوں کا ہم یہاں ذکر کریں گے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ ایک حقیقی اسلامی حکومت دنیوی حکومتوں کے مقابل میں کتنے اہم امتیازات کی مالک ہے اور اس کی اطاعت میں اور دوسری دنیوی حکومتوں کی اطاعت میں کتنا عظیم الشان فرق ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس جماعت کے ساتھ اطاعت و وفاداری کی وابستگی خود اسلام کے ساتھ وفاداری کے لئے شرط لازم قرار پاجاتی ہے اور اسکی موجودگی میں کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں رہ جاتا کہ وہ اس جماعت سے علٰحدہ رہ کر اسلام کے ساتھ اپنی وابستگی قائم رکھ سکے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبراً فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ۔	ابو ذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نظام جماعت سے بالشت بھر بھی ہٹا اس نے درحقیقت اپنی گردن سے اسلام کا حلقۂ اطاعت نکال پھینکا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اولوالامر کی ایسی جماعت کی اطاعت صرف حکومت کے اندر شہری اور اجتماعی حقوق حاصل کرنے کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ آخرت میں نجات حاصل کرنے کیلئے بھی ضروری ہے اگر کوئی شخص اسلامی ریاست کے صاحب امر کی اطاعت سے انحراف کرلے اور اسی حالت میں اسکی موت واقع ہوجائے تو اسکے تمام دینی اعمال اکارت جائیں گے اور اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

عن ابن عباس عن النبی قال من کرہ من امیرہ شیئاً فلیصبر، فانہ من خرج من السلطان شبراً مات میتۃ جاھلیۃ (بخاری - کتاب الفتن)	ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اپنے امیر کی کوئی بات ناگوار گذرے تو اسکو چاہیئے کہ صبر کرے، کیونکہ جو شخص سلطان کی اطاعت سے بالشت بھر بھی باہر ہوا۔ وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

من مات ولیس فی عنقہ بیعۃٌ مات میتۃ الجاھلیۃ۔ (مسلم)	جو شخص اس حال میں مرا کہ اسکی گردن میں خلیفہ کی بیعت کا قلادہ نہیں ہے وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ایک اور حدیث میں جنت میں داخل ہونے کے لئے نماز، روزہ، زکوٰۃ کی طرح صاحب امر کی اطاعت کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے:۔

صلوا خمسکم وصوموا شهرکم وادّوا زکوٰة اموالکم واطیعوا ذا امرکم تدخلوا جنة ربّکم۔

پنج وقتہ نماز ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو اور اپنے صاحبِ امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ اطاعت دنیوی حکومتوں کی طرح صرف ظاہری اطاعت کی حد تک ہی نہیں مطلوب ہوتی بلکہ اس میں دل کا اخلاص اور نیت کی پاکیزگی (یعنی سچی وفاداری) بھی مطلوب ہوتی ہے۔ چنانچہ متعدد حدیثوں میں اسلام کے ضروری اجزاء کے ضمن میں امام کی خیر خواہی کو بھی ایک ضروری شرط کی حیثیت سے گنایا گیا ہے۔ ایک حدیث میں اُن لوگوں کے ساتھ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا، اُس شخص کو بھی شریک کیا گیا ہے جو امام کے ہاتھ پر محض اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے بیعت کرتا ہے، خلوص نیت کے ساتھ اسکی اطاعت نہیں کرتا۔

رجلٌ بایع اماماً لا یبایعه الا لدنیا فان اعطاه منها وفیٰ وان لم یعطه منها لم یف۔ (مسلم)

(اور اللہ تعالیٰ اس شخص سے بھی گفتگو نہیں کریگا) جو امیر کے ہاتھ پر محض کسی غرض دنیوی کے لئے بیعت کرتا ہے، چنانچہ اگر اسکی وہ غرض پوری کی جاتی ہے تو وفاداری کرتا ہے اور اگر وہ غرض نہیں پوری کی جاتی تو وہ وفاداری نہیں کرتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کو ان کے فرائض کی یاددہانی کرتے ہوئے فرمایا:۔

واعینونی علیٰ نفسی بالامر بالمعروف والنهی عن المنکر واحضار النصیحة فیما ولّانی الله من امورکم۔

اور میرے نفس کی کمزوریوں کے مقابل میں میری مدد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ سے اور اُس ذمہ داری کے سلسلہ میں میری خیر خواہی کر کے کرو جو خدا نے تمہارے معاملات کے انتظام کی میرے اوپر ڈالی ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ بعض اہم عبادات کی ادائیگی امام کی رہنمائی اور نگرانی پر منحصر ہے۔ جہاد اس کے حکم سے ہوگا، زکوٰۃ اس کے بیت المال کو دی جائے گی، جمعہ اور عیدین اور حج اس کے اہتمام میں قائم

ہوں گے۔ اگر کچھ لوگ امام کے حکم کے بغیر جہاد کا اعلان کر دیں تو ہر چندان کے اس فعل سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا ہو یا پہنچنے کی امید ہو لیکن چونکہ وہ امیر کی اجازت یا حکم کے بغیر کیا گیا ہے اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فساد فی الارض قرار پائے گا۔ ایک حدیث میں وارد ہے :-

الغزو غزوان، فامّا من ابتغی وجه اللہ واطاع الامام وانفق الکریمة ویاسر الشریک واجتنب الفساد فانّ نومه ونبهه اجر کلّه واما من غزا فخرًا ورياءً وسمعة وعصى الامام وافسد فی الارض فانّه لم یرجع بالکفاف۔

جنگ کی دو قسمیں ہیں۔ جس نے اللہ کی خوشنودی پیش نظر رکھی، امام کے حکم کی پیروی کی، پاکیزہ مال خرچ کیا، ساتھی کے ساتھ اچھا معاملہ کیا، فساد سے پرہیز کیا تو اس کا سونا اور جاگنا سب اس کے لئے اجر قرار پائیگا۔ لیکن جس نے محض فخر اور دکھاوے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے جنگ کی، امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد برپا کیا تو اس کے پلے کچھ نہیں پڑے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے :-

الامام جُنّة یقاتل من ورائه (مسلم)

امام ڈھال ہے اس کے پیچھے ہو کر جنگ کی جائے۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ جن چیزوں کے بارہ میں شریعت میں کوئی قطعی اور صریح حکم موجود نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق اجتہاد سے ہے ان میں سے کسی امر کے متعلق اگر امام کے سامنے مختلف رائیں اور مختلف مذہب رکھے جائیں اور امام شوریٰ کے بعد ان میں سے کسی ایک رائے کو منتخب کرے تو محض اسکے اس انتخاب کی وجہ سے اس رائے کی حیثیت اسلامی ریاست کے ایک قانون کی ہو جائے گی اور سب پر اسکی تعمیل واجب ہوگی اگرچہ وہ رائے پچھلے مجتہدین اور بزرگوں کے رایوں سے بالکل مختلف ہو۔ اس کے بعد ایک شخص کو یہ حق تو حاصل رہے گا کہ اگر اس کا اپنا اجتہاد امیر کے فیصلہ کے خلاف ہے تو ایک رائے کی حد تک اپنے اجتہاد پر قائم رہے لیکن یہ حق کسی کو حاصل نہیں ہوگا کہ قضا اور سیاست کے دائرہ کے اندر اس قانون کی تعمیل سے اعراض کرے۔

چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ خلیفہ راشد اپنے وقت میں جن سیاسی واجتماعی احکام پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ

سب کے سب نظیر بن جاتے ہیں اور جس طرح پیش آنے والے حالات و معاملات میں سنت نبوی سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح ایک خلیفہ راشد کے احکام اور فیصلے بھی پیروی کے لئے نمونہ اور مثال کا کام دیتے ہیں۔ پیغمبر کے قول و عمل کے بعد یہی چیز ہے جس کی پیروی میں خدا کی رضا اور جس سے انحراف میں خدا کا غضب ہے۔ اس حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے واضح فرمایا ہے مگر ہم بخیال اختصار صرف ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:۔

انه من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً، فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین، تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور۔ فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة۔

تم میں سے جو لوگ میرے بعد باقی رہیں گے وہ بہت سے اختلافات دیکھیں گے اُس وقت تمہارا فرض ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرو، اور ان پر مضبوطی سے جمے رہو اور ان کو دانتوں سے پکڑ لو اور خبردار، اُن باتوں کے قریب بھی نہ پھٹکنا جو میرے طریقہ اور خلفائے راشدین کے طریقہ سے ہٹ کر نئی ایجاد کی جائیں۔ اس طرح کی ہر نئی بات بدعت[۱] ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

مگر یہ اطاعت غیر مشروط نہیں ہے اسلامی حکومت کو اطاعت و وفاداری کے لحاظ سے یہ بلند درجہ جو ملا ہوا ہے وہ غیر مشروط (UN CONDITIONAL.) طریقہ پر نہیں ملا ہوا ہے بلکہ اسلام نے اس کے ساتھ نہایت کڑی شرطیں لگا رکھی ہیں اور اس اطاعت و وفاداری کو ان شرطوں کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ اگر حکومت یہ شرطیں پوری کرے تو اس کو حق ہے کہ وہ اس اطاعت و وفاداری کے لئے مطالبہ کرے اور اس کے تمام شہریوں کا دینی و اسلامی

۱۔ بدعت سے مراد ایسے نئے طریقے نکالنا ہے جو نظام اسلامی کے مزاج کے خلاف ہوں اور اسکی مجموعی ترکیب سے میل نہ کھاتے ہوں۔ جو چیز بدعت کو اجتہاد سے جدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مجتہد اصولی احکام اور پچھلے نظائر اور دین کے مجموعی نظام کو ملحوظ رکھ کر مسائل مسکوت عنہا کے بارے میں کوئی ایسی بات کہتا ہے جو اسلام کے نظام سے مناسبت رکھتی ہے اور اس کے اندر ٹھیک بیٹھتی ہے لیکن مبتدع ایک بالکل نرالی بات نکال بیٹھتا ہے۔

فرض ہے کہ بغیر کسی کوتاہی کے اس کے اس مطالبہ کو پورا کریں۔ اور اگر حکومت یہ شرطیں پوری نہ کرے تو اس صورت میں حکومت کی نوعیت و حالت کے لحاظ سے اس کے حقوق اور اس کی اطاعت کی نوعیت میں بھی نہایت اہم تبدیلیاں ہو جائیں گی جن کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔

اطاعت کی شرطیں یہاں ہم ایک مناسب ترتیب کے ساتھ ان حدیثوں کو پیش کرتے ہیں جن میں اطاعت کے شرائط کو بیان کیا گیا ہے[1]۔ پہلے ان حدیثوں کو لیجئے جن میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ اولوالامر کی اطاعت اُس وقت تک کی جائے گی جب تک وہ اللہ کی کتاب، نماز اور اسلام کو قائم کریں گے :-

(۱) اخرج البخاری من حدیث انس اسمعوا و اطیعوا وان استعمل عبد حبشی راسہ زبیبۃ ما اقام فیکم کتاب اللہ تعالیٰ۔ (بخاری)

بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر ایک چھوٹے سر والے حبشی غلام کو امیر مقرر کر دیا جائے جب تک وہ تمہارے اندر اللہ کی کتاب قائم کرے۔

(۲) عن ام سلمۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سیکون امراء فتعرفون وتنکرون فمن کرہ بریٔ ومن انکر سلم ولکن من رضی وتابع۔ قالوا افلا نقاتلھم؟ قال لا، ما صلوا۔ (مسلم)

ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تمہارے اندر ایسے امرا ظاہر ہوں گے جنکی طرف سے تم معروف و منکر دونوں طرح کی باتیں دیکھو گے۔ سو جس نے منکر کو منکر سمجھا وہ تو بری ہوا اور جس نے اسکی مخالفت کی وہ سلامت رہا لیکن جو اس پر راضی رہا اور جس نے پیروی کی (اسکی بدبختی ہے) لوگوں نے پوچھا کیا ایسے امراء سے ہم جنگ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں، جبتک وہ نماز پڑھیں (اس وقت تک جنگ نہ کرو)

---

[1] یہاں ان احادیث کو بلا تبصرہ یکجا پیش کرنے سے مقصود مسئلہ کا ایک اجمالی تصور دینا اور ان باتوں کی فہرست نگاہوں کے سامنے رکھ دینا ہے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اطاعت کی شرائط کی حیثیت سے بیان ہوئی ہیں۔ ان پر مفصل تبصرہ آگے آئے گا۔

(۳) عن عوف بن مالك الأشجعي قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول، خيار أئمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم وتصلون عليهم ويصلون عليكم وشرار أئمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم۔ قال قلنا يا رسول الله، أفلا ننابذهم عند ذلك؟ قال لا ما أقاموا فيكم الصلوٰة۔ ألا من ولي عليه وال فرآه يأتي شيئا من معصية الله فليكره ما يأتي من معصية الله ولا ينزعن يدا من طاعته

عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور جو تم سے محبت کریں، وہ تمہارے لئے دعا کریں اور تم ان کے لئے دعا کرو، اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور جو تم سے بغض رکھیں، جن پر تم لعنت بھیجو اور جو تم پر لعنت بھیجیں۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ جب ایسی صورت پیدا ہو جائے تو کیا اس وقت ہم ان کے خلاف کھلم کھلا جنگ کا اعلان نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں جب تک وہ تمہارے اندر نماز قائم کریں (اس وقت تک جنگ نہ کرو) اگر کوئی شخص ایسے حکمران کی ماتحتی میں آ جائے جو اللہ کی نافرمانی کا مرتکب ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اسکی برائیوں سے نفرت کرے لیکن اسکی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔[1]

(۴) عن عبادة بن الصامت قال بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا وعسرنا ويسرنا وأثرة علينا وأن لا ننازع الأمر أهله إلا برهان۔ (متفق عليه)

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس بات کی بیعت لی کہ ہم رنج و راحت اور تنگی و آسانی اور نا انصافی کے باوجود اپنے امرا کی بات سنیں اور مانیں اور جو صاحب امر ہو اسکی مخالفت نہ کریں الّا یہ کہ اس سے کوئی

[1] اس مسئلہ پر تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے مگر یہاں بھی یہ بات اجمالاً پیش نظر رہنی چاہیے کہ اطاعت سے دست کشی کی ممانعت اس حالت سے مشروط ہے کہ امرا لوگوں کے اندر اقامت نماز کا التزام کر رہے ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ خدا اور رسول کے احکام کی نافرمانی کے مرتکب بھی ہو جاتے ہوں۔ ایسی حالت میں ان کی اطاعت سے انحراف نہ کرتے ہوئے ان کی اصلاح کی سعی کی جائے گی۔

کے خلاف ہو جس کے کفر ہونے پر اللہ کی طرف سے کوئی دلیل موجود ہو۔[1]

بعض ایسی حدیثوں کو لیجئے جن میں صاف تصریح کی گئی ہے کہ اولوالامر کی اطاعت صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ معروف کا حکم دیں اگر وہ منکر کی اطاعت کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔[2]

(۱) اخرج الشیخان رضی اللہ عنہما من حدیث ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم السمع والطاعة حق ما لم یؤمر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة۔

بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سننا اور ماننا ہر حال میں ضروری ہے تاوقتیکہ کسی بات کا حکم یا ایسے کام کا حکم دیا جائے جس میں خدا کی نافرمانی ہو سو اگر کسی بات کا حکم یا ایسے کام کا حکم دیا جائے جس میں خدا کی نافرمانی ہو تو پھر سننا ہے نہ ماننا۔

(۲) عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب وکرہ ما لم یؤمر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة۔ بخاری کتاب الاحکام۔

عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے لیے ہر حال میں امراء کی اطاعت ضروری ہے جب تک کسی معصیت کا حکم نہ دیا جائے تو پھر نہ سننا ہے اور نہ ماننا ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اسلامی ریاست میں کسی صاحب امر کو ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ وہ خدا اور رسول کے احکام کو ترک کر دیا ... کیونکہ ان کی اطاعت تو ایک مسلمان پر ... واجب ہو جانے کے بعد ہی کتاب ... وہی ہے جو پچھلی تینوں حدیثوں میں بیان ہوا ہے یعنی یہ کہ خدا کی کتاب کو ... اور ... کہ اگر وہ منکر و معروف سے بے نیاز ہو کر کام کرنے لگیں ... تو ... ان کی اطاعت ... کیونکہ یہی چیزیں تو ایک اسلامی حکومت کے قیام کا ... مقصد ہیں ...

فی الارض اقاموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر (۴۱-۲۲) ...

یعنی یہاں معروف سے مراد وہ باتیں ہیں جو شریعت میں پسندیدہ ہیں اور منکر سے مراد وہ باتیں ہیں جو شریعت میں ناپسندیدہ ہیں۔ پسندیدہ و ناپسندیدہ کو جانچنے کے لیے اسلام نے کتاب و سنت کے سوا کسی اور معیار کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ...

... فرماتے ہیں: المراد بالمعروف ما کان من الامور المعروفة فی الشرع ... والمعصیة ...

یعنی معروف سے مراد وہ باتیں ہیں جو شریعت میں پسندیدہ ہیں ... سے مراد ...

... حدیث کا یہی مطلب ... سمجھنا چاہیے کہ اس ... کا مطلب یہ نہیں ...

... مطلب ... کا انکار کیا ...

ہم لازم آتی ہو۔

(۳) عن علی رضی اللہ عنہ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریۃ واستعمل علیہم رجلا من الانصار وامرھم ان یسمعوا لہ ویطیعوا، فعصوہ فی شیء — فقال اجمعوا الی حطبا، فجمعوا — ثم قال اوقدوا نارا . فاوقدوا — ثم قال الم یامرکم رسول اللہ ان تسمعوا لی وتطیعوا؟ قالوا. بلی — قال فادخلوھا، فنظر بعضہم الی بعض وقالوا، انما فررنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من النار - فکانوا کذالک وسکن غضبہ وطفئت النار، فلما رجعوا ذکروا ذالک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ، فقال لو دخلوھا لم یخرجوا منہا ابدا — وقال لا طاعۃ فی معصیۃ اللہ، انما الطاعۃ فی المعروف - (متفق علیہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم پر ایک دستہ روانہ کیا اور ایک انصاری کو اسکا امیر مقرر کیا اور (اُس دستہ کے) لوگوں کو حکم دیا کہ ان کی اطاعت کریں۔ لوگوں نے کسی بات میں ان کی نافرمانی کردی (جس سے وہ غصہ ہوگئے) اور فوراً لکڑیاں جمع کرنیکا حکم دیا چنانچہ لوگوں نے لکڑیاں جمع کردیں تو حکم دیا کہ ان میں آگ لگاؤ۔ لوگوں نے آگ لگادی، اس کے بعد انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا کیا رسول اللہ نے تمہیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟ سب نے کہا، ضرور دیا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا تو پھر تمہیں اس آگ میں کودنے کا حکم دیتا ہوں۔ یہ حکم سن کر لوگ ایک دوسرے کی طرف تکنے اور کہنے لگے، آگ ہی سے بچنے کے لئے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑا، پھر اسی میں کیسے کو۔ پڑیں! اسی رد وکد میں کچھ وقت گذر گیا یہاں تک کہ ان کا غصہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا اور آگ بھی بجھ گئی۔ اس کے بعد جب یہ لوگ اس مہم سے واپس آئے تو اس واقعہ کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپ نے فرمایا اگر اس آگ میں کود پڑتے تو پھر کبھی اس میں سے نکلنا نصیب نہ ہوتا اور فرمایا کہ امر کی اطاعت، اللہ کی نافرمانی میں نہیں ہے۔ اطاعت صرف معروف میں ہے۔

(۴) وللطبرانی عن عبادۃ سیلی امورکم من بعدی رجال یعرفونکم ما تنکرون

طبرانی میں عبادہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تمہارے معاملات کے

ويذكرون عليكم ما تعرفون، فلا طاعة لمن عصى الله۔

سربراہ ایسے لوگ ہونگے جو تمہارے سامنے ان باتوں کو معروف کی حیثیت سے پیش کریں گے جن کو تم منکر سمجھتے ہو اور وہ ان باتوں کو منکر قرار دیں گے جن کو تم معروف مانتے ہو، سو جان لو کہ تم پر انکی اطاعت نہیں ہے جو اللہ کی نافرمانی کریں۔

(۵) وعند ابن ابی شیبة من حدیث عبادة سیکون علیکم امراء یامرونکم بما لا تعرفون و یفعلون ما تنکرون فلیس لاولئکم طاعة

مسند ابن ابی شیبہ میں عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب تم پر ایسے امراء مسلط ہونگے جو تم کو ایسی باتوں کا حکم دینگے جو تمہارے نزدیک معروف نہیں ہونگی اور وہ ایسی باتیں کریں گے جن کو تم منکر قرار دو گے تو ایسے امراء کی اطاعت تم پر نہیں ہے[۱]۔

اسی طرح مختلف روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرات صحابہ جب خلفا اور امراء سے اطاعت کی بیعت کرتے تھے تو اس کے ساتھ یہ شرط لگاتے تھے کہ یہ اطاعت صرف اسی وقت تک ہے جب تک صاحب امر کی طرف سے اللہ اور اس کے رسول کے طریقے کی پیروی کی جائیگی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے وقت کے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو جو بیعت نامہ لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:-

عن عبد الله بن دینار ان عبد الله بن عمر كتب الى عبد الملك بن مروان يبايعه فكتب اليه: بسم الله الرحمن الرحيم لعبد الله عبد الملك امير المؤمنين، سلام عليك، فاني احمد

عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے عبدالملک بن مروان کو اپنی بیعت کا خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندہ عبدالملک امیرالمومنین کے نام، السلام علیکم، میں آپ کے سامنے

[۱] حدیث ۴۔۵ اس حالت سے متعلق ہیں جب کہ امراء و حکام خیر و شر اور نیک و بد کے معیار کو اسلام کے معیار سے برعکس کئے دے رہے ہوں۔ جو چیزیں اسلام کی نگاہ میں بری ہوں، انہیں وہ کھلم کھلا معروف و مطلوب بنا رہے ہوں اور جو چیزیں اسلام کی نگاہ میں اچھی اور مطلوب ہوں ان کو خلاف عقل و تہذیب قرار دے رہے ہوں۔

احمد الیک الله الذی لا اله الا هو واقر لک	اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں
بالسمع والطاعة علی سنة الله وسنة رسوله	ہے اور آپ سے اللہ کا ہم میں سمع و طاعت کا اقرار کرتا ہوں
فیما استطعت - رواه - احکام الخلافة	جبتک آپ خدا و رسول کی سنت کے مطابق چلیں۔

ان احادیث سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلامی نظام میں صاحبِ امر کی اطاعت کو حتمی اہمیت دی گئی ہے اسی اعتبار سے اس اطاعت کو نہایت سخت شرائط کے ساتھ مشروط بھی کر دیا گیا ہے۔ اگر ایک طرف اطاعت امیر کا یہ مرتبہ ہے کہ جس نے صاحبِ امر کی اطاعت سے سرِ مو انحراف کیا اس کے دین اور دنیا دونوں خطرے میں پڑ گئے تو دوسری طرف امیر کے لیے بھی یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کا قائم کرنے والا ہو، رسول کی سنت پر چلنے والا ہو، معروف کا حکم دینے والا اور منکر سے روکنے والا ہو، نماز اور دوسرے ارکان و شعائرِ اسلامی کو برپا کرنے والا ہو۔ اگر امیر ان اوصاف سے خالی ہو تو اس کے لئے سمع و طاعت کے وہ احکام بھی نہیں ہیں جو اوپر بیان ہوئے ہیں بلکہ اس کے طریقِ نبوت سے انحراف کے درجہ اور نوعیت کے لحاظ سے اس کی اطاعت کے احکام بھی بدل جائیں گے۔

طریق نبوت سے حکومت کے انحراف کے تین درجے اور انکے احکام

ایک اسلامی حکومت کے طریقِ نبوت و خلافت سے انحراف کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں اور ان تینوں صورتوں میں اس کی اطاعت و وفاداری سے متعلق شریعت کے احکام بھی درجہ بدرجہ مختلف ہوں گے۔ یہاں ہم انحراف کی ان تینوں شکلوں اور ان سے متعلق احکام کی بقدرِ ضرورت تشریح کریں گے۔

انحراف کی پہلی شکل: انحراف کی پہلی شکل یہ ہے کہ حکومت کا آئین اور نظام تو اسلامی ہو یعنی عدالت و قضاء کے معاملات کتاب و سنت کے اصولوں پر انجام پا رہے ہوں، حدود و تعزیرات اسلامی ہوں، لین دین اور معاملات میں اسلامی قوانین کارفرما ہوں، تہذیب و معاشرت میں غالب رنگ اسلام کا ہو، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے فیصلے کتاب الٰہی کی روشنی میں کیے جاتے ہوں، لیکن امیر اور اس کے دوسرے عمال اور کارکنوں میں وہ دیانتداری اور تقویٰ نہ ہو جو رسول کی خلافت کے شایانِ شان ہے۔ اس کمی کی وجہ سے وہ بہت سی ایسی باتیں بھی کر گذرتے ہوں جن پر اگرچہ صریح خلافِ شرع ہونے کا حکم نہ لگایا جا سکتا ہو لیکن دین کی روح کے اعتبار سے وہ شریعتِ اسلامی سے بے جوڑ ہوں؛ زندگی کے مختلف گوشوں میں اسراف و نمائش کی بیماری نمایاں ہو جائے، ادائے فرائض میں سہل انگاری پیدا ہو جائے، رفتار و گفتار میں غرور و تمکنت جھلکنے لگ جائے ــــ لیکن یہ سب کچھ بس اس حد تک ہو کہ اس کا اسلامی روح کے منافی ہونا محسوس تو ہر صاحبِ نظر کو ہو لیکن اس کو قطعی طور پر حرام نہ قرار دیا جا سکے، اربابِ اقتدار کے اندر جمع مال کی حرص تو پیدا ہو جائے لیکن اس طرح کہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ظاہرداری بھی ساتھ ساتھ قائم رہے، نماز وں میں تاخیر کر کے ان کی جان تو نکال لی جائے لیکن بہر حال وہ ادا ضرور کی جاتی ہوں، نفس کی خواہشوں کی تسکین کے لئے بہت سی بندشیں کھول تو لی گئی ہوں لیکن دھینگا مشتی کے ساتھ نہیں بلکہ شریعت کے ظاہری احترام کو قائم رکھتے ہوئے اس کے لئے شرعی حیلے گھڑ لئے گئے ہوں۔ وقت کے ماحول پر اسلامی رنگ اس قدر چھایا ہوا ہو کہ اربابِ حکومت کے لئے کھلم کھلا کسی منکر کا ارتکاب ممکن نہ ہو اور اگر خدا سے بے خوفی

کی وجہ سے وہ کوئی خلاف شرع کام کرنا بھی چاہتے ہوں تو عام پبلک کے دباؤ سے مجبور ہوتے ہوں کہ پہلے اس منکر کے لئے کوئی شرعی گنجائش مہیا کریں۔

انحراف کی اس شکل کے احکام | اس طرح کی حکومت اپنے مزاج اور اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اُس حکومت سے کوسوں دور ہے جس کو خلافت علیٰ منہاج السنۃ کہا گیا ہے۔ اس وجہ سے یہ ان تمام خاص امتیازات سے محروم ہو جائے گی جو خلافت علیٰ منہاج السنت کو حاصل ہیں ـــ اس کے اختیار کیے ہوئے طریقہ کو نظائر (PRECIDENTS.) کا درجہ حاصل نہیں ہوگا، ان کے اجتہادات بعد والوں کے لئے دلیل اور حجت کا کام نہیں دیں گے۔ ان کے اجماع کو شرعی اجماع کی حیثیت حاصل نہیں رہے گی، ان کی اطاعت کے لئے دل کا اخلاص بھی ضروری نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کی اطاعت کے خلاف دل کے اندر کراہت موجود ہونا عین تقاضائے ایمان ہوگا اور ہر صاحب ایمان کا یہ دینی فرض ہوگا کہ ان کی خلاف شرع باتوں کے خلاف ان کو تنہائی میں بھی نصیحتیں کرے اور پبلک میں بھی ان پر کھلی تنقید کرکے رائے عامہ کے دباؤ کے ذریعہ سے ان کی اصلاح کی کوشش کرے ـــ لیکن ان کی محض ان حرکات کی بنا پر نہ ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جائے گا اور نہ ان کی اطاعت سے انحراف کیا جائے گا بلکہ ان کی ان باتوں کے باوجود ان کی اطاعت کی جاتی رہے گی، نمازیں انہی کے پیچھے پڑھی جائیں گی، زکوٰتیں انہی کو ادا کی جائیں گی، حج انہی کی امارت میں کیا جائیگا، جہاد انہی کی قیادت میں ہوگا اور ان کے خلاف تلوار اٹھانے والا افساد فی الارض کا مرتکب ہوگا کیونکہ اس بگاڑ[1] کی اصلاح رائے عامہ کے دباؤ سے بآسانی کی جا سکتی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکم سترون بعدی اثرۃ وامورا تنکرونھا۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تمہارا سابقہ ایسے امراء سے ہوگا جو اپنے آپکو دوسروں پر ترجیح دیں گے اور ان کی طرف سے تم ایسی باتیں
قالوا فما تامرنا یا رسول اللہ؟ قال ادوا الیھم حقھم وسلوا اللہ حقکم۔ (بخاری کتاب الفتن)	دیکھو گے جو شریعت کے خلاف (منکر) ہونگی۔ لوگوں نے پوچھا ایسی حالت کیلئے آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا تم ان لوگوں

[1] یہ الفاظ اس حدیث میں پیش آئند بگاڑ کی نوعیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

کا حق ادا کرنا اور اپنا حق خدا سے مانگنا۔

اس حدیث میں امراء کی ناانصافیوں اور خلاف شرع حرکات کی طرف اشارہ ہے اور لوگوں کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ جن لوگوں کی طرف سے یہ خلاف شرع باتیں صادر ہوں ان کے خلاف تلوار اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے خلاف تلوار اٹھانے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ان زیادتیوں اور ناانصافیوں کے باوجود تم پر جو اطاعت کی ذمہ داری ہے وہ برابر ادا کرتے رہو اور تمہارے جو حقوق ان کے ذمہ ہیں اور جن کو وہ ادا نہیں کر رہے ہیں ان کے لئے اللہ سے دعا کرو۔ اس حدیث کے مضمون کی مزید تشریح بخاری شریف ہی کی ایک دوسری حدیث موجود ہے:

عن حذیفة بن الیمان، قلت یا رسول الله انا کنا فی جاھلیة وشر فجاءنا الله بھذا الخیر، فھل بعد ھذا الخیر من شر؟ قال نعم۔ قلت وھل بعد ذلک الشر من خیر؟ قال نعم وفیه دخن۔ قلت وما دخنه؟ قال قوم یھدون بغیر ھدیی تعرف منھم وتنکرون۔

(بخاری۔ کتاب الفتن)

حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ، ہم جاہلیت اور شر میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خیر (اسلام) کو ظاہر فرمایا تو کیا اس خیر کے بعد پھر شر ظاہر ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں اور اس میں کچھ فساد کی آمیزش ہوگی[۱]۔ میں نے سوال کیا، یہ فساد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایسے لوگ ظاہر ہونگے جو میری ہدایت سے ہٹ کر رہنمائی کریں گے۔ ان سے معروف و منکر دونوں قسم کی باتیں ظاہر ہونگی۔

انحراف کی دوسری شکل | انحراف کی دوسری شکل یہ ہے کہ نظام اجتماعی فی الجملہ اور فی الاصل تو بظاہر اسلام ہی

۱؎ اوپر کی حدیث میں جس حالت کا ذکر آیا تھا اس سے اسکی تصریح ہوتی ہے یعنی یہ کہ نظام زندگی اور سارے معاملات فی الاصل اور فی الجملہ تو خیر پر قائم ہیں لیکن فساد نے اس میں کہیں کہیں راہ پالی ہے۔ اس امر کو "خیر — فیہ دخن" کے الفاظ صاف واضح کر رہے ہیں۔ اگر کیفیت "دخن — فیہ خیر" کی ہو جائے تو یہ اس خیر سمیت شر کی حالت ہوگی کیونکہ اس صورت میں تو خیر سراسر دھوکے اور فریب کا کام دے گا۔

پر قائم ہو اور اس سے متعلق بیشتر کام بھی اسلام ہی کے اظہار و اعلان اور نام سے کئے جا رہے ہوں لیکن غیر الٰہی قوانین اور غیر اسلامی طریقے بھی سیاسی نظام کے بقا اور حکومت کے قیام و استحکام کے لئے ضروری خیال کئے جاتے ہوں ہر حرکت و عمل کا مقصد تو اسلام کی سربلندی ہی ظاہر کیا جاتا ہو لیکن فی الواقع پیش نظر کلمہ حق کی رفعت اور خدا کی رضا نہ ہو بلکہ زیادہ تر اپنے ذاتی یا قومی حوصلوں کی تکمیل ہو، تہذیب و معاشرت کے سلسلہ میں نام تو بار بار اسلام کا آتا ہو لیکن عملاً ہر گوشہ میں جاہلی تہذیبوں کی نقالی کی جا رہی ہو، زبانوں سے تعریف و توصیف تو بیشتر انہی اخلاقی اقدار کی کی جاتی ہو جو اسلام میں پسندیدہ اور قابل احترام خیال کئے جاتے ہیں لیکن عملاً پیروی اور حوصلہ افزائی اُن اقدار کی ہو رہی ہو جن کو وقت کی جاہلیت پیش کر رہی ہو، عام زندگی میں جن دینی امور کا کچھ اہتمام ہو بھی تو وہ اس وجہ سے نہ ہو کہ اسلام نے ان کے اہتمام کا حکم دیا ہے بلکہ محض اس وجہ سے ہو کہ قومی روایات میں داخل ہو جانے کی وجہ سے ان چیزوں کے ساتھ لوگوں کو . . . . .

. . . ایک جذباتی قسم کا تعلق ہو گیا ہے اور ان کے ترک کرنے سے اندیشہ ہے کہ عوام کے اندر ایک قسم کی بدگمانی اور بے اطمینانی پھیلے گی۔

اس قسم کی حکومت میں اسلام کو جو جگہ حاصل ہوتی ہے وہ محض قومی مذہب و عقیدہ کی حیثیت سے حاصل ہوتی ہے، بحیثیت ایک نظام زندگی کے حاصل نہیں ہوتی۔ نظام زندگی کی حیثیت سے اصل اقتدار جاہلیت کو حاصل ہوتا ہے، اس وجہ سے لازمی طور پر ہر گوشہ میں اسلام کے نقوش مدہم اور جاہلیت کے نقوش اجاگر ہوتے ہیں۔ اس پہلو سے یہ حکومت سابق الذکر حکومت سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ سابق الذکر حکومت میں نمایاں حیثیت تو اسلام کو حاصل ہوتی ہے لیکن اس اسلام کے اندر کچھ اجزاء فساد و جاہلیت کے بھی مل جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اس دوسری حکومت میں اصلی زور و اقتدار تو جاہلیت کو حاصل ہوتا ہے لیکن جاہلیت اس بادۂ گلگوں میں کچھ اجزاء زمزم اسلام کے بھی ملا دیئے جاتے ہیں[1]۔ سابق الذکر حکومت میں خدا اور رسول کے طریقہ سے جو انحراف پایا جاتا ہے اس پر تاویل اور حیلہ کے غلاف لپٹے ہوتے ہیں اور اس دوسری میں جو انحراف پایا جاتا ہے وہ اگرچہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی و سربلندی کا کلمہ پڑھتے ہوئے

---

[1] یعنی خَيْرٌ فِيْهِ دَخَنٌ کے برعکس دَخَنٌ فِيْهِ خَيْرٌ کی حالت ہوتی ہے۔

اختیار کیا جاتا ہے لیکن بالکل بے پردہ اور علانیہ ہوتا ہے۔

دونوں کے اندر اس نمایاں اور واضح فرق کی وجہ سے نہ تو اس حکومت کو پہلی حکومت کے تحت رکھ کے اسکو "اسلامی حکومت" ہی قرار دے سکتے ہیں اور نہ صاف صاف اس پر ایک کھلی ہوئی کافرانہ حکومت ہونے ہی کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ مولانا اسمٰعیل شہید نے اپنی کتاب "منصبِ امامت" میں اسکو کفر و اسلام دونوں سے الگ رکھا ہے اور اسکو "حکومت ضالہ" کا نام دیا ہے اور تفصیل کے ساتھ اس کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد اس کا شرعی حکم بیان کیا ہے۔ یہاں ہم مولانا شہید کی اس کتاب سے "حکومت ضالہ" کی بحث کا ضروری حصہ نقل کرتے ہیں۔ "حکومت ضالہ" میں اسلامی قوانین و آداب کے بالمقابل جاہلی قوانین و آداب کے غلبہ اور تفوق کی طرف مولانا ان الفاظ میں اشارہ فرماتے ہیں:-

در ہر امرے از امورِ ریاست و سیاستِ حکمی مخالفتِ شرعِ متین ثابت می گردد، و در ہر معاملہ از معاملاتِ بنی آدم اصلے مقابلِ دین قائم میشود۔ پس ملتے مقابلِ ملتِ مصطفوی برپا میشود، و سنتے مقابلِ سنتِ نبوی برملا، آئینِ سلطانی مخالفِ احکامِ ربانی پیدا می گردد و قوانینِ خاقانی مخالفِ شرعِ ایمانی ہویدا!

پس بسا چیز است کہ در شرعِ ربانی حرام است و در آئینِ سلطانی واجب، و ہم چنیں بالعکس۔ مثل اطلاقِ لفظ "شاہِ شاہاں" و "خداوندِ جہاں" و "جہاں پناہ" و "حضورِ اقدس" و "عرش آشیانی" و "بندہ خاص" و "پرستارِ باختصاص"

اب ریاست و سیاست حکمی (ظاہری) کے معاملات کے ایک ایک پہلو میں شرعِ متین کی مخالفت نمایاں ہونے لگتی ہے اور انسانی زندگی کے مسائل کے ہر گوشے میں دین کے بالمقابل ایک اصول قائم ہو جاتا ہے۔ اس طرح ملتِ مصطفوی کے خلاف ایک نئی ملت اور سنتِ نبوی کے خلاف ایک نئی سنت نمودار ہو جاتی ہے۔ ضابطۂ حکومت صریحاً احکامِ الہٰی کے خلاف نشوونما پاتا ہے اور شاہی قوانین کھلم کھلا شریعت ایمانی کے خلاف نمودار ہوتے ہیں۔

پس کتنی ہی چیزیں ہیں جو شریعتِ الہٰی میں حرام ہیں لیکن ضابطۂ حکومت میں واجب قرار پاتی ہیں اور اسیطرح اس کے برعکس۔ مثلاً "شاہنشاہ" "خداوندِ جہاں" "جہاں پناہ" "حضور اقدس" "عرش آشیانی"

و "قلم قدر توام" واستادن امراء دست بستہ وسرنگون، وعقدِ مجلسِ رقص وسرود، ولبسِ حریر در ایامِ جشن وعید، واستعمالِ ظروفِ سیم وزر، واظہارِ فرحت وسرور در احیادِ کفار مثل "نوروز" و "مہرجان" و "ہولی" و "دیوالی" و مثل آں، از مقدماتِ ہزاراں ہزار و معاملاتِ بیشمار ——— ایں ہمہ در شرعِ ربانی حرام است و در آئینِ سلطانی واجب الاہتمام!

و جوابِ "السلام علیک" و حضورِ جماعات و حسنِ معاشرت و خلقِ نیک با ضعفائے بندگانِ الٰہی و مصافحہ و معانقہ با ہر مسلمان و اجابتِ دعوتِ ہر وضیع و شریف و اختلاط با جماہیرِ اہلِ اسلام و حجِ بیت اللہ الحرام و خدمتِ اولیاء اللہ و دوامِ ملازمتِ ایشاں در مجالسِ علم و ذکر و عدمِ مخالفتِ کسے از رؤسا و ضعفاء، و شنیدنِ حوائجِ ذوی الحاجات و امثالِ ذالک، ایں ہمہ در شرعِ ربانی مامور است و در آئینِ سلطانی ممنوع۔

و اخذ خصوصِ مالِ تجارت زائد از قدرِ زکوٰۃ و

"بندۂ خاص" "پرستار باختصاص" اور "قلم قدر توام" وغیرہ الفاظ[1] کا استعمال، امراء کا دست بستہ سر جھکا کے کھڑے ہونا، رقص و سرود کی محفلیں جمانا، جشن و عید کے دنوں میں ریشمی لباس پہننا، سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال اور کفار کی تقریبِ مسرت مثلاً "نوروز" "مہرجان" "ہولی" اور "دیوالی" اور ایسے ہی دوسرے مواقع پر فرحت و سرور کا مظاہرہ کرنا وغیرہ! الغرض اس طرح کے ہزاروں معاملات اور بے شمار صورتیں ہیں ——— یہ سب خدا کی شریعت میں حرام ہیں، لیکن ضابطۂ حکومت کے لحاظ سے واجب الاہتمام ہیں۔

اس کے برعکس "السلام علیک" کا جواب دینا، نماز باجماعت میں حاضر ہونا، بندگانِ خدا کے کمزور بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا، ہر مسلمان سے مصافحہ و معانقہ کرنا، ہر وضیع و شریف کی دعوت کو قبول کرنا، جمہور مسلمین سے بے تکلفی برتنا، اور بیت اللہ کا حج کرنا، اولیاء اللہ کی خدمت کرنا، علم و ذکر کی مجالس سے مستقل وابستگی رکھنا، رؤسا اور غربا میں سے کسی کی مخالفت نہ کرنا، اہلِ حاجات کی حاجات کو سننا، وغیرہ ذالک ——— ان ساری باتوں کے کرنے کا شریعت

---

[1] مولانا شہید نے یہ مثالیں اپنے زمانہ کی شخصی سلطنتوں کو سامنے رکھ کر پیش کی ہیں۔ آپ کلام کو مطابقِ حال کرنے کے لئے ان الفاظ کے وہ بدل پیشِ نظر رکھیے جو آپ کے اس دورِ جمہوریت میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً ہز میجسٹی، ہز ہائی نس، ہز ایکسی لینسی، عزت مآب وغیرہ وغیرہ، اور وہ طرزِ خطاب جو آپ کے ہائی کورٹوں میں رائج ہے، یعنی میرے خداوند (My Lord.)

تعیین نگاہبانانِ مردم آزار بر ہر گزرگاہِ دریا و در گزرگاہِ صحرا و بر ہر دروازۂ شہر بنا بر دار و گیرِ مسافران و اخذِ چیزے از اموالِ ایشاں و امثالِ ذالک —— ایں ہمہ مخالفِ شرعِ ربانی است و موافقِ آئینِ سلطانی۔

وبسا جرم است کہ تعزیر بداں در شرعِ ربانی دیگر است و در آئینِ سلطانی دیگر۔ حدِ دزدی در شرع قطعِ ید است و در آئینِ سلطانی قتل و یا حبس۔ برادرانِ پادشاہ در متروکۂ پدرِ خود بحکمِ شرع شریک اند و بحکمِ آئین محروم۔ تمام مالِ بیت المال در شرعِ حق کافۂ مسلمین است و در آئینِ ملوکِ سلاطین!

بالجملہ آئینِ سلطانی ہم بس طویل و عریض مستوعب احکامِ رنگا رنگ و اصولِ گوناگوں مقابلِ شرعِ ربانی بہم رسیدہ، و تعلیم و تعلم آں درمیانِ اراکینِ سلطنت و ساطین مملکت مروج گردیدہ، کہ پدرانِ مشفق برائے تربیتِ پسرانِ خود بہ ہمیں آئین استادانِ ایں فن را —— کہ ایشاں را اتالیق گویند —— تعیین می نمایند تا تدریجاً ہمیں فن را تعلیم می فرمایند و آں را از کمالاتِ ایشاں می شمارند و از مفاخرِ آنہا می انگارند۔ و خیر خواہانِ سلطنت و ترقی خواہانِ مملکت کہ در صنعتِ تحریر و تقریر قوتِ

ربانی میں حکم دیا گیا ہے، لیکن یہی ضابطۂ حکومت کے رُو سے ممنوع ہو جاتی ہیں۔[۱]

اور مالِ تجارت میں قدرِ زکوٰۃ سے زائد محصول لینا، ہر دریائی گھاٹ اور صحرائی گزرگاہ پر اور شہر کے ہر دروازے پر مسافروں کی داروگیر کرنے اور ان کے مالوں میں سے کچھ وصول کرنے کے لئے تند خو و مردم آزاروں کا پہرہ لگانا اور اس طرح کے دوسرے امور —— یہ سب شرعِ ربانی کے مخالف ہیں اور ضابطۂ حکومت کے مطابق!

اور کتنے ہی جرم ایسے ہیں کہ جن کی سزا خدا کی شریعت میں کچھ اور مقرر ہے اور ضابطۂ حکومت میں کچھ اور۔ مثلاً چوری کی سزا شریعت میں قطعِ ید ہے لیکن ضابطۂ حکومت کے رُو سے قتل یا قید ہے۔ بادشاہ کے بھائی متروکۂ پدری میں قانونِ شریعت کے لحاظ سے حصہ دار ہیں لیکن ضابطے کی رُو سے محروم۔ بیت المال کا سارا مال شریعت کے حکم سے جملہ مسلمان عوام کا حق ہے لیکن ضابطے کی نگاہ میں بادشاہوں کی ملکیت قرار پاتا ہے۔

مختصر یہ کہ ضابطۂ سلطانی بہت طویل و عریض ہے جو شریعت کے مقابلے میں رنگا رنگ احکام اور گوناگوں اصول پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس کا سیکھنا سکھانا ارکینِ حکومت اور عمائد

[۱] ممنوع ہو جانے کے معنے یہی ضروری نہیں ہے کہ ان کو قانوناً روک دیا جائے بلکہ عملاً ان کا ترک کر دینا اور ان کو معیارِ تہذیب و ترقی سے گری ہوئی چیز خیال کرنے لگ جانا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

لسانی و بلاغتِ بیانی میدارند. کتب و رسائل
دراں درست میگردانند، و آں را بذکرِ شواہد
و دلائل بہ پایۂ اثبات می رسانند. چنانچہ رسالۂ
در تحلیلِ لبسِ حریر مشہور است و مسئلۂ تجویزِ سجدہ
برائے سلاطین معروف۔ و آئینِ اکبری دریں
کتابے است مبسوط!

سلطنت کے حلقوں میں رواج پا جاتا ہے۔ اور پدرانِ شفیق اپنے بیٹوں کو خوش تحریری میں مہارت اور تقریر میں زورِ بیان رکھتے ہیں، اس فن میں کتب و رسائل تصنیف کرتے ہیں اور اس (فن ضابطۂ سلطانی) کو دلائل و شواہد کے زور سے پایۂ ثبوت تک پہنچاتے ہیں، جیسے کہ ایک رسالہ ریشمی لباس کو حلال کرنے کے موضوع پر مشہور ہے یا جیسے بادشاہوں کے لئے سجدہ کو جائز کرنے کے مسئلے کا چرچا ہے۔ اور اس فن میں "آئینِ اکبری" ایک مبسوط کتاب ہے۔

انحراف کی اس شکل کے احکام

آگے چل کر حضرت شہید اس کے اندر اسلامی آداب و مراسم کے امتزاج کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اس حکومت کا شرعی حکم بیان فرماتے ہیں۔

ہر چند امثالِ ایں سلاطین فی الحقیقت از قبیلِ
کفارِ اشرار اند و از جنسِ اہلِ نار، فامّا از بسکہ
بزبانِ خود دعوائے اسلام میکنند پس کفرِ ایشاں
مستور است و ایمانِ ایشاں ظاہر، و شاہدِ تصدیقِ
ہمیں دعوائے ظاہری از رسومِ اسلام مثلِ عقدِ
نکاحِ دختراں و اظہارِ تجمل بروزِ عید الفطر و عید الاضحیٰ
و تجہیز و تکفین و نمازِ جنازہ و دفن در مقابرِ مسلمین در دیارِ
خود جاری میدارند، و از شرعِ ربانی بالکل دست
بردار می شوند. آرے آئینِ سلطانی را در حقِ خود
و ملازمانِ خود واجب العمل می انگارند. چنانچہ در
محاوراتِ خود آئین را با شرع ضم کردہ در تلفظ استعمال
می کنند. مثلاً می گویند کہ ہرچند شرع اصل است

اگرچہ ایسے فرماں روا حقیقت کے اعتبار سے کفارِ اشرار میں شامل ہیں اور دوزخیوں کی قسم میں سے ہوتے ہیں، لیکن چونکہ اپنی زبان سے مسلمان ہونے کا دعوائے کرتے ہیں اس وجہ سے ان کا کفر پوشیدہ رہتا ہے اور ایمان ظاہر۔ وہ اپنے اس دعوائے ظاہر کی تصدیق شہادت کے لئے اسلام کی چند رسموں، مثلاً لڑکیوں کا نکاح کر کے دینا، عید فطر اور عید الضحیٰ پر شان و شوکت کا مظاہرہ کرنا، تجہیز و تکفین، نمازِ جنازہ اور مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن ہونا وغیرہ عمل میں لاتے ہیں اور خدا کی شریعت سے پوری طرح دست بردار نہیں ہوتے البتہ ضابطۂ سلطانی کو اپنے لئے اور اپنے ملازمین کے لئے واجب العمل ٹھہراتے ہیں۔ چنانچہ اپنے خاص محاورات

* اسی ضابطے کے مطابق تربیت دلانے کیلئے اسی خاص فن کے استادوں کو کہ جنہیں اتالیق کیا جاتا ہے مقرر کرتے ہیں اور درجہ بدرجہ اسی فن کی تعلیم دلاتے ہیں اور اسی علم کو اپنے بچوں کے کمالات فن اور مفاخر میں شمار کرتے ہیں اور سلطنت کے خیر اندیش اور مملکت کے بہی خواہ۔

اما درباب سیاست با شرعِ طورہ ہم باید ومراد از طورہ آئینِ چنگیز خاں ست۔

پس ہمیں دعوائے اسلام کہ بظاہر از زبانِ ایشاں سر بر می زند، ایشاں را از کفرِ صریح محفوظ می دارد۔ اگرچہ کفرِ مخفی در مواخذۂ اُخرویہ کافی ست فامّا اسلام ظاہری مقتضیٔ ہمیں معنی ست کہ با ایشاں در احکام دُنیویہ معاملۂ مسلمین بہ عمل می آئند وایشاں را ہم در باب معاملات از جنسِ مسلمین شمارند۔

گو کہ در آخرت با کفارِ اشرار در درکاتِ نار مخلّد باشند، و در دار و گیرِ ربِ قدیر تا ابدالآباد مانند، یا وسعتِ رحمتِ الٰہیہ دست گیریٔ ایشاں نماید — خواہ قبل التعذیب، خواہ بعد التعذیب ایشاں را مغفرت فرماید۔ بالجملہ حالِ معاد ایشاں بعلمِ علام الغیوب سپارند و در احکامِ معاش معاملۂ مسلمین با ایشاں بہ عمل آرند

ہیں آئین و شریعت کو مرکب کرکے کلام کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ اگرچہ شریعت ہی اصل چیز ہے لیکن سیاسی معاملات کے لئے شریعت کے ساتھ طورہ "(عقلی قانون) بھی ہونا چاہیئے اور اس عقلی قانون سے ان کی مراد چنگیز خانی آئین ہوتا ہے۔[1]

پس یہی دعوائے اسلام جو ظاہر طور پر ان کی زبانوں سے صادر ہوتا ہے انہیں کفرِ صریح سے محفوظ رکھتا ہے اگرچہ آخرت کے مواخذہ کے لئے خفیہ کفر کافی ہے۔ لیکن ظاہری اسلام کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے ساتھ دنیوی احکام میں مسلمانوں کا سا سلوک کیا جائے اور معاملات کی حد تک انہیں بھی مسلمانوں ہی کی جنس میں شمار کیا جائے۔

اگرچہ آخرت میں وہ کفارِ اشرار کے ساتھ آگ کے گڑھوں میں ڈالے جانے والے ہوں اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ربِ قدیر کی دار و گیر میں مبتلا رہیں، یا ممکن ہے کہ رحمتِ الٰہی کی وسعت عذاب دیئے بغیر یا عذاب دے کر ان کی مغفرت فرما دے لیکن بہرحال انکی عاقبت کا معاملہ علام الغیوب کے علم کے حوالے کرنا چاہیئے اور دنیوی زندگی کے معاملات میں ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد حضرت شہید اس حکومت کی اطاعت و بغاوت سے متعلق شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت

[1] واضح رہے کہ مولانا اسمٰعیل شہید یہ تیموری خاندان کے فرمانرواؤں کا ذکر فرما رہے ہیں۔

ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

سلطانِ مضل ہرچند رئیس المفسدین است و
امام المبتدعین، در ریاستِ او بہ نسبتِ دین
سمّے ست قاتل، و امامتِ او بحکمِ کتاب و سنت
وہمے ست باطل، امّا از آنجا کہ راہِ معاملۂ اسلام
با او مسلوک است تکفیرِ او مشکوک؛ بنائً علیہ اظہار
بغی بروے و خروج از اطاعتِ او، نیز از مسائلِ
اختلافیہ است - پس شخصِ محتاط را لازم ست کہ خود
بداں اقدام نہ فرماید و دیگرے را بر و ملام نہ سازد
یعنی خود راہِ بغی و خروج نہ پیماید و اگر کسے با او
مخالفت و منازعت نمود زبانِ طعن بر و نکشاید
— چنانکہ بسیارے از علمائے اہلِ سنت خود
بر قتل و نہبِ روافض دست نمی کشایند، فامّا
بر مجوزینِ ایں امر علماءِ ماوراءالنہر اعتراض نمی
نمایند . . . .

مگر آنکہ قیامِ خلافتِ راشدہ یا سلطنتِ
عادلہ بر تقدیرِ برہم زدنِ ریاستِ او متیقن باشد
پس دریں صورت برافروختنِ اعلامِ قتل و قتال
و برانداختنِ آں مبتدعِ ضال در حقِ ملت و اہلِ
ملت منفعتے خواہد بخشید، والّا لعوام و خواص
بے شک مضرتے خواہد رسید!

سلطانِ مضل (حکومتِ بدراہ) اگرچہ رئیس المفسدین
اور امام المبتدعین ہوتا ہے اور اسکی حکومت دین کے
حق میں سمِ قاتل اور اسکی امامت کتاب و سنت کے
رُو سے وہمِ باطل کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس بنا
پر اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنا اس سے تعلق رکھتا ہے
اسکی تکفیر کرنا ایک مشتبہ مسئلہ ہے - لہٰذا اس کے خلاف
بغاوت کا اعلان کرنا یا اسکی طاعت سے انحراف کرنا
بھی اختلافی مسائل میں سے ہے - پس ایک محتاط شخص
کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خود تو اس طرح کا اقدام
نہ کرے لیکن ایسا کرنے والے کو ملامت بھی نہ کرے؛
دوسرے لفظوں میں خود تو اسے بغاوت سے باز رہنا
چاہیئے لیکن اگر کوئی دوسرا اس (سلطانِ مضل) کی
مخالفت و منازعت پر کمربستہ ہو تو اس پر زبانِ طعن
نہ کھولے - بالکل اسی طرح جیسے بہت سے علماءِ سنت
خود تو روافض کے قتل و غارت کیلئے ہاتھ نہیں اٹھاتے
لیکن ماوراالنہر کے اُن علماء پر اعتراض بھی نہیں کرتے
جو اس فعل کو جائز ٹھہراتے ہیں -

ہاں لیکن اس صورت میں جب کہ سلطانِ مضل کی ریاست
کو برطرف کر دینے پر ہی خلافتِ راشدہ یا کم سے کم سلطنتِ
عادلہ کا قیام منحصر ہو تو اس صورت میں جنگ و جدال کے

جھنڈے اٹھانا اور اس گمراہ بدمتی کا تخت الٹنا ملت اور اہل ملت کے حق میں بہت نفع مند ثابت ہوگا۔
اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو اسکی وجہ سے خواص و عوام سب کو سخت نقصان پہنچے گا۔

حضرت شہید کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس قسم کے امراء اور حکام اپنی انفرادی حیثیت میں تو محماً مسلمان ہیں لیکن ان کی حکومت مسلمان نہیں ہے۔ اس کے خلاف بغاوت کرنے میں اگر شرعاً کوئی چیز مانع ہوسکتی ہے تو وہ صرف یہ اندیشہ ہے کہ کہیں انارکی اور بدنظمی اسکی جگہ نہ لے لے۔ مگر ان کی حکومت سے عدم تعاون اور پرامن جد وجہد سے اسکو بدلنے کی سعی واجب ہے اور اگر کوئی شخص یہ خیال رکھتا ہو کہ مسلح جد وجہد کرکے وہ بدنظمی نہیں بلکہ نظام اسلامی قائم کر سکیگا تو ایسا کرنا اس پر ضروری ہے۔ یہ بات متعدد احادیث سے معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود کی وہ روایت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"ثم انها تخلف من بعدھم خلوف یقولون	پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین ہونگے
مالا یفعلون و یفعلون مالا یؤمرون	جو باتیں وہ بنائیں گے جن پر عمل نہ کریں گے اور عمل وہ
فمن جاھدھم بیدہ فھو مومن و	کریں گے جس کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ تو جس نے ہاتھ سے
من جاھدھم بلسانہ فھو مومن و	ان کے خلاف جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے زبان
من جاھدھم بقلبہ فھو مومن ولیس	سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے
وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل۔" (مسلم)	دل سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ مومن ہے، مگر جو دل

سے بھی برا نہ جانے اس کے اندر رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔"

اور کعب بن عجرہ کی وہ حدیث جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شریر امراء کی حکمرانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"فمن دخل علیھم فصدقھم بکذبھم	جو ان کے پاس گیا اور جس نے ان کے جھوٹ کی تائید
واعانھم علی ظلمھم فلیس منی ولست	کی اور ان کے ظلم و ستم میں ان کا ساتھ دیا اس کا مجھ سے
منھم ولن یرد علی الحوض۔ ومن لم	اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور وہ حوض کوثر پر
یدخل علیھم ولم یصدقھم بکذبھم	ہرگز میرے پاس نہ آسکیگا۔ اور جو ان کے پاس نہ گیا

ولم یعنھم علی ظلمھم فاولئک منی	اور جس نے ان کے جھوٹ کی تائید نہ کی اور ان کے ظلم میں
وانا منھم و اولئک یردون علی الحوض۔	ان کا حامی نہ بنا وہی میرا ہے اور میں اس کا ہوں اور وہی
(الترمذی والنسائی)	میرے پاس حوض کوثر پر آسکیگا۔"

انحراف کی تیسری شکل | انحراف کی تیسری شکل یہ ہے کہ حکومت ہو تو مسلمانوں کی لیکن اسلامیت کا اس میں یا تو سرے سے کوئی جزء ہو ہی نہیں یا ہو تو اس وجہ سے نہیں کہ وہ اسلامیت کا جزء ہے بلکہ محض ایک قومی روایت کی حیثیت سے۔ کارکنان حکومت مدعی تو ہوں مسلمانوں کے گروہ میں سے ہونے کے لیکن حکومت کا سارا نظام یا تو دین سے بے تعلقی (Indifference) کے نظریہ پر چل رہا ہو یا اسکی پوری مشین رات دن اسلام کشی میں سرگرم ہو۔ حیات اجتماعی کے ہر گوشہ میں اسلامی اقدار کو پست اور جاہلی اقدار کو سربلند کیا جا رہا ہو۔ زندگی کے اسلامی نظریات کی تحقیر کی جارہی ہو۔ اسلامی آداب تہذیب و معاشرت کو دقیانوسی اور خلاف تہذیب و ترقی قرار دے کر ختم کیا جارہا ہو اور اقتدار حکومت کے تمام وسائل کو خالص کافرانہ تہذیب و معاشرت کے فروغ دینے کے لئے استعمال کیا جارہا ہو۔ جو لوگ اسلام اور اسلامی زندگی کی ترقی کے خواہاں ہوں وہ مختلف سیاسی اور غیر سیاسی تدبیروں سے بے نشان کیے جارہے ہوں اور جو لوگ اسلام کی بیخ کنی کے درپے ہوں ان کو ابھار ابھار کر پبلک کے دل و دماغ پر مسلط کیا جارہا ہو۔ اسلام کی ترقی چاہنے والے قومی آزادی و ترقی کے دشمن اور ملکی تحفظ کو خطرہ میں ڈالنے والے سمجھے جاتے ہوں اور اسلامی شریعت کا عملی اور قولی دونوں حیثیتوں سے مذاق اڑانے والے قومی ہیرو اور غازی مجاہد سمجھے جاتے ہوں۔ بہتر ہوگا کہ اس حکومت کی خصوصیات بیان کرنے کے لئے بھی ہم مولانا اسمٰعیل شہید ہی کے الفاظ مستعار لیں۔ وہ فرماتے ہیں[1]:-

باید دانست کہ مراد از سلطنت کفر دریں مقام	واضح رہے کہ "سلطنت کفر" سے یہاں اصل کفار کی حکومت
حکومت کفار اصلی نیست، بلکہ مقصود ازاں سلطنت	مراد نہیں ہے، بلکہ کسی ایسی ٹولی کی حکومت مراد ہے
قومے ست کہ جان خود را از زمرۂ مسلمین می شمارند	کہ جو اپنے آپ کو مسلمانوں کے زمرے میں شمار بھی
و موجبات کفر صریح بعمل می آرند۔ و از ایشاں نسبت بہ	کرے اور پھر کھلے کھلے موجبات کفر کو عمل میں بھی

[1] "منصب امامت" مولفہ مولانا اسمٰعیل شہید۔ بحث "سلطنت کفر"۔

احکامِ شرع آں قدر مخالفت و عناد صادر
می شود کہ بر ایشاں حکمِ کفر و ارتداد ثابت می
گردد۔ بیانش آنکہ بعضے اشخاص۔ اعتبارِ
اصلِ جبلت ملحد مزاج و زندیق طبع می باشند
کہ ہرچند بظاہر کلمۂ اسلام می خوانند۔ تا خدا و رسول
را و دین و مذہب را و حساب و کتاب را
بالیقین نمی دانند و ہمیں نشیب فرازِ دنیوی
را نشیب فراز می پندارند، و ہمیں حصولِ
جاہ و جلال و تحصیلِ مال و منال را اصلِ کمال
می انگارند۔ ہر کہ در ہمیں ابواب غریق و
منہمک است ہموں است نزدیک ایشاں
زکی و عاقل، و ہر کہ ازاں معرض و غیر ملتفت است،
ہموں است نزدِ ایشاں غبی و جاہل۔ چیزے
کہ باعثِ تحصیلِ دنیائے دوں نباشد،
ہموں است نزدِ ایشاں لغو ولاطائل و مشقتے
کہ ثمرِ حصولِ نام و نشاں نباشد ہموں ست
نزدِ ایشاں رنجِ بے حاصل۔ پس انبیاء اللہ
و سائر ہادیانِ راہِ حق را از جنسِ عقلائے
جاہ طلب می شمارند و اتباعِ ایشاں را از
جنسِ سفہائے بے عقل می انگارند کہ بسخن
ہائے ایشاں مغرور گردیدند و بہ مواعید بر بستہ

ہائے۔ اور ایسے لوگوں سے شریعت کے احکام
کے بارے میں اتنی مخالفت اور دشمنی ظاہر ہوتی ہے
کہ کفر و ارتداد کا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کی
تفصیل یہ ہے کہ بعض اشخاص اپنی عین جبلت کے
لحاظ سے ملحد مزاج اور زندیق طبع ہوتے ہیں جو
اگرچہ ظاہراً اسلام کا کلمہ پڑھ لیتے ہیں لیکن خدا اور
رسول، دین اور مذہب اور حساب اور کتاب پر
دل سے یقین نہیں رکھتے۔ بس دنیوی ترقی اور
تنزل ہی کو ترقی و تنزل سمجھتے ہیں اور جاہ و جلال
اور مال منال حاصل کر لینے ہی کو اصلی کمال تصور
کرتے ہیں۔ جو کوئی انہیں سرگرمیوں میں ڈوبا رہے،
بس وہی ان کے نزدیک ذہین و فطین ہوتا ہے۔
اور جو کوئی ان سے کنارہ کش اور بے نیاز رہے وہ
ان کی نگاہ میں جاہل اور غبی قرار پاتا ہے۔ جو چیز
دنیائے دوں کے حصول کا سبب نہ بنے اسے یہ
فضول سمجھتے ہیں اور جس محنت کے نتیجے میں
نام و نمود حاصل نہ ہو اسے رنجِ بے حاصل جانتے
ہیں۔ چنانچہ خدا کے رسولوں اور راہِ حق کے دیگر ہادیوں
کو ہشیار جاہ طلبوں میں سے شمار کرتے ہیں اور
ان کے پیروں کو فریب خوردہ احمقوں کا درجہ دیتے
ہیں کہ جو ان کی باتوں سے مسحور ہو گئے اور ان کے

ایشاں مسرور۔ پس رعایتِ ملت و سنت
را در جمیعِ افعال و اقوال از جنسِ حماقت می
شمارند و قیدِ مذہب و مشرب را در عادات و
معاملات از قبیلِ سفاہت مگشیدنِ رنج و
کلفت در عبادات نزدِ ایشاں محض نادانی
است و تبتل و توکل علامتِ عجز و ناتوانی۔
پس چوں امثالِ ایں اشخاص بہ منصبِ سلطنت
می رسند و متمکن بر سریرِ مملکت می شوند،
آئینِ سلطانی را کہ بظاہر باعثِ ازدیادِ رونقِ
سلطنت است، مطابقِ فراست و کیاست
می دانند و شرعِ ربانی کہ نزدِ ایشاں بے اصل
است از جنسِ رسومِ سفاہت می شناسند،
پس لابد زبانِ طعن بروی می گشایند و اورا در
نظرِ ملازمانِ خود محتقر می نمایند و بہ لطائف الحیل
استقبالِ او می جویند و راہِ معارضۂ او می پویند و
ہر امر حکمِ آئینِ سلطانی را ترجیح میدہند و حکمِ شرعِ ربانی را
تضعیف میکنند و منافعِ آں را بہ چرب زبانی تفصیل میدہند و مضارّ
ایں را بہ تلبیس تبیین میکنند۔
و گاہ در ہر سخنِ ایشاں رمزے می باشد
بر ملتِ رب العالمین و طعنے می باشد
بر سنتِ سید المرسلین۔ گاہے کلامِ خود را

وثوق فردا پر اطمینان کر بیٹھے۔ سو یہ لوگ اپنے تمام
اقوال و افعال میں دین اور سنت کا لحاظ رکھنے کو بے
وقوفی سمجھتے ہیں اور عادات و معاملات میں مذہب
و مشرب کی پابندی کو جہالت کا درجہ دیتے ہیں۔
عبادات کی مشقت اٹھانا ان کی نگاہ میں نری حماقت
ہوتا ہے اور صبر و توکل کرنا کمزوری اور ناطاقتی!
پس جب اس طرح کے لوگ حکومت کے منصب
پر براجمان اور تختِ شاہی پر قابض ہو جاتے ہیں
تو آئینِ سلطانی کو[1] جو ظاہر کے لحاظ سے سلطنت
کی رونق کا موجب ہوتا ہے، عقل و حکمت کے تقاضوں
کے مطابق یقین کرتے ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں
خدا کی شریعت کو جو ان کی نگاہ میں بالکل بے فائدہ
ہوتی ہے احمقانہ رسوم کا درجہ دیتے ہیں چنانچہ
لازماً وہ شریعت کے خلاف زبانِ طعن دراز کرتے
ہیں اور اس طرح اسے اپنے ملازمین کی نگاہوں
میں بے وقر بناتے ہیں، اور مختلف تدبیروں سے
اس کی بیخ کنی کی کوشش کرتے ہیں نیز اس کے
خلاف سرکشی کے راستے نکالتے ہیں۔ اکثر ایسا
یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر معاملے میں شاہی قانون
کے فیصلوں کو ترجیح دیتے ہیں اور شریعتِ خداوندی
کے فیصلوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ پھر یہ حضرات

[1] اس سے مراد شریعت کے بالمقابل انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے قوانین اور خود اپنے مرتب کیے ہوئے ضابطے اور دساتیر ہیں۔

باشعارِ شعرائے یاوہ گو پیوند می کنند و گاہے بہ تشبیہاتِ علماءِ جاہ جو و گاہے دعوئے خود را بکلامِ فلاسفہ مدلّل می کنند و گاہے بہ مموّہاتِ ملاحدہ۔

پوری چرب زبانی سے اولی الذکر کے فوائد کی تشریح کریں گے اور نہایت مغالطہ انگیز طریقوں سے آخر الذکر کے نقصانات واضح کریں گے۔ مختصر یہ کہ ان کی ہر بات میں دینِ ربّ العالمین پر نکتہ چینی اور سنتِ سید المرسلین پر طنز ضرور شامل ہوتا ہے۔ کبھی اپنی گفتگو میں یاوہ گو شعرا کے اشعار کا جوڑ لگائیں گے، اور کبھی جاہ پرست علماء کے حوالے دیں گے، پھر کبھی اپنے دعوے پر فلسفیوں کی خیال آرائیوں اور کبھی ملحدوں کی نکتہ طرازیوں سے دلیل لائیں گے۔[1]

انحراف کی اس شکل کے احکام

اس کے بعد حضرت شہید اس قسم کی حکومت اور اس قسم کے حکمرانوں کے متعلق شرعی حکم بیان کرتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو ان سے سابقہ پیش آجائے تو ان کے ساتھ مسلمانوں کو کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ فرماتے ہیں :۔

پس ایں قسمِ سلاطین بلاشک از جنسِ کفار مستتر دین اند و از نا دقہ مرتدین، جہاد با ایشاں از ارکانِ اسلام است، و اہانتِ ایشاں اعانتِ سید الانام، سلطنت ایشاں اصلاً از جنسِ امامتِ حکمیہ نیست، و اطاعتِ ایشاں بوجہے من الوجوہ از امورِ شرعیہ نہ۔ کما روا عبادۃ بن الصامت انہٗ قال: بایعنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی ان

پس حکمرانوں کی اس قسم کا شمار بلاشبہ سرکش کافروں اور مرتد زندیقوں میں ہے۔ ان کے خلاف جہاد کرنا ارکانِ اسلام میں شامل ہے اور ان کی تذلیل کرنے سے سردارِ مخلوقات صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی حمایت کا حق ادا ہوتا ہے۔ ایسے حکمرانوں کی حکومت امامتِ حکمیہ" (اسلامی سلطنت) کی تعریف میں نہیں آتی اور ان کی اطاعت کرنا ایک قطعی دلیل کی رو سے غیر شرعی فعل ہے۔ جیسا کہ عبادہ بن صامت

---

[1] حضرت شہید نے آخر میں جو بات فرمائی ہے وہ نہایت قابلِ غور ہے۔ خدا اور رسول سے جن لوگوں کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے وہ اپنی باتوں کو لوگوں کی نگاہوں میں مزین کرنے کے لئے ایسی مصنوعی ملمعوں سے کام لیتے ہیں اور جہلاء ان چیزوں سے آسانی کے ساتھ فریب میں آجاتے ہیں۔

لا ننازع الامر اهله الا ان تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان۔

... سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر بیعت لی کہ ہم اپنے اربابِ امر سے اُس وقت تک تصادم نہ کریں گے جب تک کہ اُن کی طرف سے کوئی ایسا کھلا کھلا کفر صادر ہوتا نہ دیکھیں جس کے کفر ہونے پر اللہ کے دین کی طرف سے تمہارے پاس قطعی حجت موجود ہو۔

آگے چل کر اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں :-

وقیام سلطنتِ ارتداد مشابہ بہ غلبۂ کفاست کہ بر ذمۂ مسلمین فرضِ عین می شود کہ بر او جہاد قائم بگردانند، و فساد او بہ شمشیر بنشانند واگر نتوانند، ازاں اقلیم ہجرت نمایند و بہ دارالاسلام فرود آیند۔

اور ایسی سلطنتِ ارتداد کا قائم ہو جانا غلبۂ کفار کے مشابہ ہے، چنانچہ مسلمانوں کے ذمے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کے خلاف جہاد بپا کریں اور اس فساد کو بزورِ شمشیر دبا دیں، لیکن اگر ایسا نہ کر سکیں تو ایسی ولایت سے ہجرت کریں اور ”دارالاسلام“ (اسلامی حکومت) میں آجائیں۔

دو سوال؟

یہ ساری بحث پڑھنے کے بعد ممکن ہے بعض لوگوں کے ذہن میں حسب ذیل دو سوال پیدا ہوں:

ایک یہ کہ اگر اسلامی حکومت فساق کے ہاتھوں میں آجانے کے باوجود بھی شرعاً اسلامی حکومت ہی کے حکم میں داخل رہتی ہے (ادنیٰ درجہ ہی میں سہی)، اور اس کی اطاعت سے دست کشی اور اس کے مقابلہ میں کوئی مخالفانہ اقدام جائز نہیں ہے جب تک کہ اہل حکومت کی طرف سے کسی کفر صریح کا اعلان و اظہار نہ ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ تو ان کی بدعملیوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے لئے انتظار میں بیٹھے رہیں گے کہ ابھی اہل حکومت نے اپنے کفر و ارتداد کا اعلان تو کیا ہی نہیں ہے اور ادھر برائیاں پھیلتے پھیلتے آہستہ آہستہ اس قدر بڑھ جائیں گی کہ بالآخر صورتِ حال کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی۔

دوسرا یہ کہ مسلمانوں کی کسی حکومت کے فسق کے حدود سے گزر کر کفر صریح کے حدود میں رکھ دینے کے بعد وہاں کے حق پرست مسلمانوں کو اس کے خلاف تلوار اٹھانے کی جو اجازت دی گئی ہے اس کے کچھ مزید شرائط بھی ہیں یا مجرد یہ بات کہ حکومت نے کفر کا اعلان کر دیا ہے اس امر کے لئے کافی ہے کہ اب جو شخص چاہے اس کے خلاف تلوار سونت لے اور جو شخص چاہے ملک چھوڑ کر ہجرت کر جائے؟

پہلے سوال کا جواب: اس حالت میں اطاعت کی قید بلاشبہ دیندار طبیعتوں پر شاق گذرتی ہے اور اس معاملہ میں ان کو دین سے زیادہ سیاست کا پہلو غالب نظر آتا ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ اسلام نے اہل حکومت کی طرف سے کفر صریح کے اظہار سے پہلے ایک اسلامی حکومت کی اطاعت سے دست کشی اور اس کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس بارے میں بہت سی ضروری حدیثیں اوپر گذر چکی ہیں لیکن مسئلہ کی اہمیت و وضاحت کے پیش نظر ہم چند احادیث و آثار یہاں مزید نقل کرتے ہیں تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ اس معاملہ میں اسلام کی تعلیم فی الحقیقت یہی ہے۔ فاسق خلفاء کی اطاعت ان صحابہ نے بھی کی ہے جو دین کی ذمہ داریوں اور اس کے مطالبات سے اچھی طرح واقف تھے اور حق کے سوا کسی سیاسی و غیر سیاسی مصلحت سے دبنے والے

نہیں تھے۔ مثلاً

عن عبد الکریم البکاء قال ادرکت عشرۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلہم یصلی خلف ائمۃ الجور۔ (رواہ البخاری فی تاریخہ، نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۸۰)	عبدالکریم بکاء سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دس ایسے صحابیوں کا زمانہ پایا ہے جو ظالم امراء کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔
عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجہاد واجب علیکم مع کل امیر برا کان او فاجرا والصلوٰۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم برا کان او فاجرا وان عمل الکبائر۔ (رواہ ابوداؤد والدارقطنی بمعناہ، نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۸۳)	ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارے اوپر جہاد واجب ہے ہر امیر کی معیت پر خواہ وہ نیکوکار ہو یا بدکار، اور نماز واجب ہے ہر مسلمان کی اقتداء میں، نیکوکار ہو یا بدکار، اگرچہ وہ کبائر کا مرتکب ہو۔

امام بخاری نے ایک روایت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے کہ وہ حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ مؤطا میں ہے کہ عبدالملک کی طرف سے حجاج کو یہ سخت ہدایت تھی کہ جب وہ لوگوں کو حج کرائے تو مناسک حج کی ادائیگی میں تمام تر عبداللہ بن عمرؓ کی ہدایات کی پیروی کرے، اور وہ اس حکم پر پورے اہتمام سے عمل بھی کرتا تھا۔ امارت حج کے سلسلہ میں کوئی قدم عبداللہ بن عمرؓ کے مشورہ کے بغیر نہیں اٹھاتا تھا لیکن امیر حج بہرحال وہی ہوتا تھا اور عبداللہ بن عمرؓ باایں ہمہ علم و تقویٰ اسی فاسق و فاجر کی امارت میں حج ادا کرتے اور اسی کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے تھے کیونکہ ان کی شریعت کی رو سے وہ اس وقت تک ان فاسق امراء کی اطاعت سے انحراف نہیں اختیار کر سکتے تھے جب تک وہ نمازیں قائم کرتے ہیں اور کسی کھلے ہوئے کفر کا اظہار نہیں کرتے ہیں۔[۵]

[۵] یہ بات بہرحال پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہ ذکر اس حالت کا ہے جسے ہم نے اوپر انحراف کی پہلی شکل کے تحت بیان کیا ہے یعنی پورا نظام حکومت اسلام پر قائم تھا، قانون و عدالت، تہذیب، سیاست ہر جگہ اسلام ہی کی حکمرانی تھی۔ امراء و خلفاء بھی شریعت کے فرائض و واجبات ان کی ظاہری شکل و صورت کی حد تک ادا کرتے۔ صرف ان کے اندر سے اسلام کی روح اور خدا کا خوف غائب ہو گئے تھے۔

امام مسلم نے روایت کی ہے کہ مروان نے عید کی نماز پڑھائی اور اس اندیشہ سے کہ ممکن ہے نماز کے بعد لوگ اس کا خطبہ سننے کے لئے نہ ٹھہریں یہ بدعت کی کہ خطبہ نماز سے پہلے ہی دے دیا۔ بعض لوگوں نے اسے اس پر برسر موقع ٹوکا بھی لیکن وہ مانا نہیں۔ مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدریؓ جماعت میں موجود تھے۔ انہوں نے اس کے فسق کی شہرت اور اسکی اس کھلی ہوئی بدعت کے باوجود نماز اسی کے پیچھے ادا کی۔ کیونکہ اسلام نے مسلمانوں کو جس نظم اطاعت کا پابند بنایا ہے اس کے رو سے مروان کا فسق یا اسکی یہ بدعت اس بات کے لئے کافی وجہ نہیں تھی کہ ابو سعید خدریؓ اسکی امارت تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے۔

یہ اس نظم اطاعت ہی کا اہتمام ہے جس کی وجہ سے متعدد حدیثوں میں اسبات کی تاکید آئی ہے کہ اگر ایسے امرا برسر اقتدار آ جائیں جو نمازوں میں اتنی تاخیر کر دیں کہ بالکل ان کی جان ہی نکال لیں جب بھی نمازیں انہی کی اقتدا میں ادا کی جائیں۔ بعض لوگوں کے سوال پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو اپنی نمازیں ٹھیک وقت پر گھروں کے اندر ادا کر لیا کرنا اور بطور نفل جماعت کی نمازوں میں بھی شریک ہو جانا، یہ نہ کہنا کہ ہم نے نماز پڑھ لی ہے۔

پس اس میں تو ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مسئلہ کی شرعی حیثیت وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ "اسلامی حکومت" کا یہ نظم اطاعت اُس کے اندر پیدا ہونے والی گندگیوں اور خرابیوں کی اصلاح میں کسی نوعیت سے مانع ہے اور وہ لوگوں کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ بس آنکھیں بند کئے ہوئے خاموشی کے ساتھ حکومت کی اطاعت کئے چلے جائیں اور اس کی کسی برائی کے خلاف زبان نہ کھولیں۔ بلاشبہ اسلام پر قائم حکومت جب تک کسی کفر صریح کا اظہار نہ کرے کسی جماعت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس سے اپنے رشتہ وفاداری کو منقطع کر لے یا اسکی اطاعت سے دستکش ہو جائے لیکن حکومت کا وفادار رہتے ہوئے، اس کے اندر پیدا ہونے والی برائیوں کی اصلاح کے لئے دو باتوں کا اسکو نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ از روئے شرع وہ دونوں باتیں اس پر واجب ہیں، اور اگر ان میں کسی قسم کی کوتاہی کرے گا تو خدا اور حکومت دونوں کے ساتھ خیانت کرنے کا مجرم ہوگا۔

(۱) ایک یہ کہ کسی مسلمان کیلئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی رضامندی اور آزادی رائے کے ساتھ

کسی ایسی بات کی اطاعت کرے جو خدا اور اس کے رسول کے حکم کے صریحاً خلاف ہو۔ اس کے متعلق ہم متعدد حدیثیں اوپر نقل کر آئے ہیں۔ یہاں ان میں سے بعض کی صرف یاد دہانی کافی ہوگی :-

" السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب وکرہ مالم یؤمر بمعصیة۔ فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة
(بخاری۔ کتاب الاحکام)

مسلمان کے لئے سننا اور ماننا (اپنے امراء کی اطاعت) ضروری ہے، خواہ گوارا ہو یا ناگوار، جب تک کہ اسکو کسی ایسی بات کا حکم نہ دیا جائے جس کی تعمیل سے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی لازم آتی ہو۔ اگر اسکو کسی ایسی معصیت کا حکم دیا جائے تو ایسی صورت میں نہ سننا ہے اور نہ ماننا۔"

بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں :-

" الطاعة فی المعروف" امراء کی اطاعت موافق شرع باتوں میں ہے"۔

ایک متفق علیہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں :-

لاطاعة فی معصیة اللہ انما الطاعة فی المعروف۔

اللہ کی نافرمانی میں اطاعت جائز نہیں ہے۔ اطاعت فقط موافق شرع باتوں میں ہے۔"

(۲) دوسری یہ کہ ملک کے عوام اور حکومت کے کارپردازوں کے اندر جو اخلاقی و اجتماعی برائیاں پیدا ہوں بغیر کسی اندیشہ مخالفت کے ان پر تنقید کرے، ان کا خلاف شرع اور خلاف اخلاق ہونا برملا واضح کرے اور اس راستہ میں جو مصیبتیں بھی اسکو پہنچائی جائیں، خواہ حکومت کے ہاتھوں یا عوام کے ہاتھوں، ان کو مومنانہ عزم و ثبات کے ساتھ برداشت کرے۔ مشہور حدیث ہے :-

افضل الجہاد من قال کلمة حق عند سلطان جائر۔
(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی۔ احمد)

افضل ترین جہاد اس شخص کا ہے جو کسی حق سے ہٹے ہوئے سلطان کے آگے کلمہ حق کہے۔

اسلام نے اس بات کا حکم محض ایک اختیاری نیکی کی حیثیت سے نہیں دیا ہے بلکہ اسکو ہر صاحب ایمان کے فرائض میں داخل کیا ہے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے ملک کے عوام یا اپنی حکومت کے حکام کو حق و دیانت

اور کتاب و سنت کے خلاف حرکتیں کرتے ہوئے برابر دیکھ رہا ہے اور چپ ہے تو وہ اگرچہ بذاتِ خود کتنا ہی نیک اور دیندار مسلمان ہو لیکن اِس فساد کی ذمہ داری میں وہ آخرت میں بھی شریک قرار دیا جائے گا اور اس کے سبب سے اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا تو اس میں بھی وہ اصل مجرموں کے ساتھ ماخوذ ہوگا۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے سورۃ انفال میں اس طرح واضح فرمایا ہے :۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ	اور اس فتنہ سے بچو جس کی زد میں خاص طور پر وہی لوگ
ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَّاعْلَمُوْٓا	نہیں آئیں گے جنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہوگا بلکہ وہ
اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ	بھی اس کی لپیٹ میں آئیں گے جو ظلم کے باوجود اس پر
(۲۵ ۔ انفال)	خاموش بیٹھے ہونگے، اور جان لو کہ بیشک اللہ بڑی
	سخت پاداش دینے والا ہے۔

بعینہٖ یہی تعلیم قدیم صحیفوں میں بھی دی گئی تھی۔ حزقی ایل باب ۳۔ آیات ۱۸-۱۹ میں حزقی ایل کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ کی یہ ہدایت نقل کی گئی ہے :۔

"جب میں شریر سے کہوں کہ تو یقیناً مریگا اور تو اسے آگاہ نہ کرے اور شریر سے نہ کہے کہ وہ اپنی بُری روش سے خبردار ہو تاکہ وہ اس سے باز آکر اپنی جان بچائے تو وہ شریر اپنی شرارت میں مریگا لیکن میں اس کے خون کی بازپرس تجھ سے کرونگا لیکن اگر تونے شریر کو آگاہ کر دیا اور وہ اپنی شرارت اور اپنی بُری روش سے باز نہ آیا تو وہ اپنی بدکرداری میں مریگا پر تونے اپنی جان کو بچا لیا۔"

احادیث میں یہ حقیقت مختلف طریقوں سے سمجھائی گئی ہے جسکی تفصیل کسی اور جگہ آئیگی۔ یہاں ہم صرف چند حدیثیں موقع کی ضرورت کے لحاظ سے نقل کرتے ہیں۔ پہلی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تمثیل کے ذریعہ سے یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ جب کسی سوسائٹی کے اندر برائیاں پھیلنے لگیں اور دوسرے لوگ اجوان برائیوں کا برائی ہوتا جاتے ہیں، ان سے روکنے کی کوشش نہ کریں تو اس کے سبب سے جو آفت آتی ہے اس میں اچھے اور بُرے دونوں پکڑے جاتے ہیں :۔

"نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے حدود پر قائم رہنے والوں اور اس کے

حدود کو توڑنے والوں کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کچھ لوگ ایک کشتی کے اوپر اور نیچے کے حصوں پر قرعہ ڈالیں۔ ایک گروہ کو اوپر والا حصہ ملے اور دوسرے گروہ کے حصہ میں نیچے کا حصہ آئے۔ نیچے والوں کو جب پانی کی ضرورت پیش آتی ہو تو اوپر جانا پڑتا ہو۔ وہ یہ دیکھ کر یہ اسکیم بنائیں کہ اگر ہم اپنے حصہ میں کشتی کے پیندے میں سوراخ کرلیں تو ہمیں بھی سہولت ہوگی اور اوپر والے بھی زحمت سے محفوظ ہو جائیں گے۔ نیچے والوں کی اسکیم پر اگر اوپر والے خاموش رہ جائیں اور جو کچھ وہ چاہتے ہیں انکو کر گزرنے دیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ سب ایک ہی ساعت ہلاک ہوں گے اور اگر اوپر والے نیچے والوں کو روک دیں گے تو خود بھی محفوظ رہیں گے اور نیچے والوں کو بھی تباہی سے بچالیں گے۔[1]"

"طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ پہلا شخص جس نے عید کا خطبہ نماز سے پہلے شروع کیا وہ مروان ہے۔ جب اس نے یہ بدعت کی تو ایک شخص نے برسرِ موقع اس کو ٹوکا کہ خطبہ سے پہلے نماز پڑھاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسا اس وجہ سے کیا ہے کہ اب پہلی سی باتیں لوگوں میں نہیں رہی ہیں (یعنی اب خطبہ سننے کے لئے لوگوں کے اندر وہ اہتمام باقی نہیں رہا ہے جو پہلے تھا) اس پر ابوسعید خدری نے فرمایا اس شخص کا جو فرض تھا اس نے ادا کر دیا، میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ تم میں سے جو شخص کوئی بات خلاف شریعت دیکھے اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کردے، اگر ہاتھ سے اصلاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی اصلاح کردے، اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو بُرا جانے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔[2]"

"عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے جس امت میں بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بھیجا ہے اس امت کے اندر سے اس کے حواری اور صحابی ہوتے رہتے ہیں جو اس کی سنت کی پیروی اور اس کے احکام کی پابندی کرتے رہتے ہیں۔ پھر انکے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے وہ باتیں کہیں جو کرتے نہیں تھے اور وہ کام کئے جن کا اللہ نے ان کو حکم نہیں دیا تھا، تو جس نے ایسے لوگوں سے ہاتھ سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے ان سے زبان سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے ان سے دل سے جہاد کیا وہ مومن ہے۔ اس سے نیچے رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔[3]"

---

[1] بخاری شریف۔ باب ھل یقرع فی القسمۃ۔ [2] مسلم شریف۔ باب کون النہی عن المنکر من الایمان

[3] مسلم شریف۔ باب کون النہی عن المنکر من الایمان۔

"عبادہ بن ولید اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس بات کی بیعت کی کہ ہم تنگی اور آسانی، دکھ اور سکھ ہر حال میں سُنیں اور اطاعت کریں اور صاحب امر کی مخالفت نہ کریں اور حق کہیں یا حق پر قائم رہیں جہاں کہیں بھی ہوں اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں[1]۔"

"حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ ایسے اُمرا پیدا ہونگے جن سے معروف و منکر دونوں طرح کی باتیں صادر ہونگی تو جس نے ان کے منکر کو منکر سمجھا وہ بری ہوا اور جس نے اس کے خلاف آواز بلند کی وہ سلامت رہا، البتہ اس کی بدبختی ہے جس نے ان کے خلاف شرع باتوں کو پسند کیا اور ان کی پیروی کرتا رہا۔ لوگوں نے سوال کیا، کیا ایسے امرا سے ہم جنگ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں، جب تک وہ نماز پڑھیں اس وقت ان سے جنگ نہ کرو[2]۔"

صحابہ اور تابعین کو اس فرض کی اہمیت کا جس درجہ احساس تھا اس کا اندازہ طبرانی کی مندرجہ ذیل روایت سے ہوتا ہے:۔

حسن سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کو امیر معاویہ نے ہمارے علاقہ کا گورنر مقرر کیا۔ یہ اس وقت بالکل بے شعور چھوکرا اور قتل و خونریزی میں نہایت بے باک تھا۔ عبد اللہ بن معقل مزنی ہمارے اندر موجود تھے۔ انہوں نے اس کے ظلم و ستم کا یہ حال دیکھا تو ایک دن اس کے پاس گئے اور سب کے سامنے اس سے کہا کہ یہ ظلم و ستم جو تم نے دھار رکھا ہے اس سے باز آؤ۔ اس نے جواب دیا کہ ان باتوں سے تم کو کیا تعلق؟ پھر جب وہ مسجد میں آئے تو ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ اس بیوقوف سے سب کے سامنے یہ باتیں کس غرض سے کر رہے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اللہ اور رسولؐ کا علم تھا، میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ سب کے سامنے اس شخص کو یہ علم پہنچائے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ اس کے بعد وہ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں وفات پائی۔ ان کی بیماری کے دوران میں عبید اللہ بن زیاد ان کی عیادت کو آیا۔

[1] مؤطا امام مالک۔ احکام الخلافۃ [2] مسلم شریف

خلاصہ: اس بحث میں قرآن، حدیث اور آثار سے جو حوالے نقل کئے گئے ہیں ان سے حسب ذیل باتیں واضح ہو جاتی ہیں:-

(۱) ایک یہ کہ اسلامی سوسائٹی کے ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ خود اپنے اندر بھی اور سوسائٹی کے دوسرے لوگوں کے اندر بھی یہ احساس زندہ اور بیدار رکھے کہ اسلام نے خالق کی اطاعت کے خلاف کسی مخلوق کی اطاعت کو جائز نہیں رکھا ہے

(۲) دوسری یہ کہ ہر برائی جو سوسائٹی کے اندر پھیلتی ہے اس کی ذمہ داری جس طرح اس کے پھیلانے والوں پر ہے اسی طرح ان لوگوں پر بھی ہے جو اس کو برائی جانتے ہوئے اس کو پھیلنے دیں اور وہ سارے اصلاحی وسائل جو ان کو حاصل ہیں اس کام میں نہ لگا دیں۔

ان دونوں باتوں کی اصل اہمیت اور ان کی نتیجہ خیزی کی پوری وسعت کا اندازہ اس امر سے ہوگا کہ یہ واجبات شریعت میں سے ہیں یعنی اسلام نے ان دونوں باتوں کو شہری حقوق کی فہرست میں نہیں رکھا ہے بلکہ ان کو شہریوں کے فرائض میں شمار کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کے جبر و ظلم کے باوجود خدا کی رضا ان کے ادا کرنے میں ہے نہ کہ ان کے دستبردار ہو جانے میں۔ یہ ہمارے اپنے حقوق نہیں ہیں کہ اگر ہم ان پر صبر کر جائیں اور اپنے ارباب اقتدار سے کوئی مطالبہ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہم کو اس صبر کا صلہ ملے۔ یہ خدا کے حقوق ہیں جن کی ادائیگی ہمارے ذمہ ہے اور جن کے معاملہ میں اصلی صبر یہی ہے کہ تمام مزاحمتوں اور مخالفتوں کے باوجود یہ ادا کئے جائیں اور پھر اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھی جائے کہ اس کے حقوق کی ادائیگی کی راہ میں جو دکھ اٹھائے گئے ہیں وہ ان کا صلہ عطا فرمائے گا۔

ان دونوں باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ اسلامی حکومت کے سربراہ کاروں کی طرف سے کفر صریح کے ظہور سے پہلے ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی پابندی لگا دینے پر سیاست کو غائب کر دیا گیا ہے یا اصلاح حال کے لئے کوئی موثر صورت نہیں سامنے دی گئی۔ ظاہر بات ہے کہ اگر سوسائٹی یا اس کی اکثریت کے اندر ان باتوں کا احساس زندہ ہو اور وہ اپنے ان فرائض کی ادائیگی سے غافل نہ ہوں تو اول تو حکومت کے اندر کسی بگاڑ کے لئے راہ پانا کوئی آسان کام نہیں ہے اگر وہ راہ پا بھی لے تو زیادہ دنوں تک

قائم نہیں رہ سکتا اور اگر رہ بھی جاتا ہے تو کبھی وہ صورت نہیں اختیار کر سکتا جس کی اصلاح کے لئے کسی منظم بغاوت کی ضرورت پیش آئے۔ اور اگر خدانخواستہ یہ صورت حال نتیجہ ہے اس بات کا کہ لوگوں کے اندر اس بگاڑ کے خلاف نفرت اور اس کی اصلاح کا کوئی جذبہ ہی باقی نہیں رہا تو ایسے لوگوں کی تلوار سے اور جو چاہے ہو جائے اسلام تو بہرحال قائم نہیں ہو سکتا کہ ان کو ایک ایسی حکومت کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دے دی جائے جو بہرحال اسلام پر قائم ہے اگرچہ اپنے اندر کچھ جزئی بگاڑ بھی رکھتی ہے۔ باقی رہی یہ شاذ صورت کہ سوسائٹی کی عظیم اکثریت تو اصلاح کی خواہاں اور اس پر آمادہ ہے لیکن اس کے چند شریر، خود غرض اور شدید افراد اس کی راہ میں مزاحم ہو رہے ہیں اور طاقت کے زور سے اس کو دبا رکھنا چاہتے ہوں، جیسا کہ حضرت اسمٰعیل شہید نے تصریح فرمائی ہے اس بات کی اجازت ہے کہ اگر قوت کے ذریعہ سے اصلاح کا یقین ہو تو طاقت کے ذریعہ سے ان مفسدین کو ہٹا کر نظام حق قائم کر دیا جائے۔ اگرچہ یہ صورت محض ایک حقیقی امکان کی صورت ہے عملاً اس کا امکان بہت ہی کم ہے کہ ایک آمادۂ اصلاح سوسائٹی کی عظیم اکثریت کی مزاحمت تھوڑے سے مفسدین کر سکیں اور ان کے استیصال کے لئے طاقت کے استعمال کی ضرورت پیش آئے۔

دوسرے سوال کا جواب دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے کفر صریح صادر ہونے کی صورت میں اسلام نے اس کے خلاف تلوار اٹھانے اور اس کی اطاعت سے دستکش ہو جانے کی جو اجازت دی ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جونہی حکومت کی طرف سے کسی کفر کا صدور ہو ہر مسلمان اس کے خلاف تلوار کھینچ کر کھڑا ہو جائے اور حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس صورت کے پیدا ہو جانے کے بعد حکومت کی اطاعت و وفاداری کی وہ شرعی ذمہ داری جو اسلام نے ایک اسلامی حکومت کے لئے اس کے ہر شہری پر عائد کی ہے ختم ہو گئی۔ اب اس کو شریعت کی طرف سے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ سارے حالات کا اچھی طرح جائزہ لے کر اسلام کی بتائی ہوئی مختلف راہوں میں سے جس راہ کو اختیار کر سکتا ہو اس راہ کو اختیار کر لے۔ رہا یہ سوال کہ اس صورت میں اسلام نے کیا کیا راہیں اختیار کرنے کی اجازت دی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حالات کے اختلاف کے لحاظ سے اسلام نے ایک مرتد حکومت کے مقابلہ میں اس کے مسلمان باشندوں کے لئے تین راہوں میں سے کوئی ایک راہ اختیار کرنے کا اختیار دیا ہے۔

(۱) ایک راہ یہ ہے کہ ان ارباب اقتدار سے بزور شمشیر اقتدار چھین لیا جائے جن کی طرف سے کفر بواح[1] (صریح) کا ظہور ہوا ہے اور ملک کے نظام کو از سر نو اسلام کی بنیادوں پر قائم کر دیا جائے۔

یہ راہ اختیار کرنے کی اجازت اس صورت میں دی گئی ہے جب صالحین کا گروہ منظم ہو، ان کے پاس طاقت موجود ہو۔ اہل ملک کی عظیم اکثریت ان کے ساتھ ہو یا کم از کم اس بات کا ظن غالب ہو کہ عملی جدوجہد شروع ہوتے ہی اکثریت انکا ساتھ دیگی۔ اور کسی بڑی تباہی و خونریزی کے بغیر مفسدین کے اقتدار کو مٹا کر صالحین[2] کا اقتدار قائم کیا جا سکے گا۔ اس صورت میں بلاشبہ صالحین کی جماعت کو نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ ان کے اوپر یہ شرعی فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت منظم کر کے ملک کے اندر بزور شمشیر انقلاب پیدا کر دیں اور حکومت پر قبضہ کر لیں۔

(۲) دوسری راہ یہ ہے کہ وہ وہاں سے ہجرت کر جائیں۔

یہ راہ اختیار کرنے کی اجازت اس صورت میں دی گئی ہے جب کہ صالحین نہایت حقیر اقلیت میں ہوں اور مفسدین سے ٹکر لینے کی صورت میں انکو کوئی نقصان پہنچانے کے بجائے خود انکی اپنی تباہی کا اندیشہ ہو علاوہ ازیں کوئی ایسا دارالاسلام موجود ہو جس کے دروازے انکے لئے کھلے ہوں اور جہاں وہ اسلامی ماحول کے اندر اپنے دینی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کر سکتے ہوں۔ اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ وہاں سے ہجرت کر کے وہ دارالاسلام میں منتقل ہو جائیں کیونکہ مسلمان کیلئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ ایک دینی ماحول کے موجود ہوتے ہوئے کسی ایسے ماحول میں اپنے آپکو رکھ چھوڑے جہاں بجائے اسکے کہ وہ اس ماحول کو متاثر کرے اندیشہ اس بات کا ہے کہ وہ ماحول اس کے اور اس کی آل اولاد کے دین و ایمان کیلئے ایک مستقل فتنہ بن جائے اگر ہجرت کی استطاعت اور دارالاسلام کی موجودگی کے باوجود کوئی شخص اپنے آپکو دارالکفر کی آلودگیوں میں مبتلا رکھے تو آخرت میں اسکا حشر کفار ہی کے ساتھ ہوگا۔ سورۂ نساء میں ہے:-

---

[1] موجودہ زمانے کی معروف اصطلاحات کی رُو سے اس کے معنی دستور اسلامی کی ایسی صریح خلاف ورزی کے ہونگے جس کی کوئی تاویل ممکن نہ ہو۔ [2] یعنی اسلامی دستور کا احترام اور اس کی حفاظت کرنے والوں کا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي	وہ لوگ جنکو فرشتے وفات دینگے اس حال میں کہ وہ
أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ؟ قَالُوا	اپنی جانوں کو آفت میں مبتلا کئے ہوئے ہونگے، ان سے
كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ، قَالُوا	پوچھیں گے کس حال میں تم پڑے ہوئے تھے؟ جواب دینگے
أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا	ہم ملک میں دبے ہوئے تھے۔ فرشتے کہیں گے کیا
فِيهَا ؟ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ	خدا کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟
وَسَاءَتْ مَصِيرًا.	یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ برا ٹھکانا
(۹۷۔ النسآء)	ہے۔

(۳) تیسری راہ یہ ہے کہ جس جگہ ہے اسی جگہ جما رہے اور جس طرح انبیائے کرام ایک دارالکفر میں اپنے مشن کی تبلیغ کرتے ہیں اور درجہ بدرجہ اس کو دارالکفر سے دارالاسلام کی صورت میں بدل دیتے ہیں اسی طرح وہ اس دارالکفر کو دارالاسلام کی صورت میں ڈھالنے کی جدوجہد میں لگ جائے[۱]۔

یہ راہ اس صورت میں اختیار کرنی چاہیئے جب نہ تو طاقت کے ذریعہ سے انقلاب برپا کرنیکا کوئی امکان ہو اور نہ کوئی دارالاسلام ہی موجود ہو جہاں ہجرت کی جا سکتی ہو۔ باہر کے ممالک کے حالات دینی نقطۂ نظر سے کم و بیش اسی طرح کے ہوں جس طرح کے حالات میں وہ خود گھرا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ہجرت بالکل بیفائدہ ہے اگر اس کے اپنے ملک کے اندر حالت اتنی بگڑ چکی ہو کہ ایمان و اسلام کے بالکل ابتدائی تقاضوں کا پورا کرنا بھی ممکن نہ رہ گیا ہو اور مجرد اسلام کے ساتھ نسبت ہی جان و مال اور عزت و آبرو کے لئے خطرہ بن چکی ہو تب تو اور بات ہے[۲] ورنہ ایسے

---

[۱] انبیائے کرام کے طریق دعوت اور اس کے تمام شرائط و خصوصیات کی تفصیل ہماری کتاب "دعوتِ دین اور اس کا طریق کار" میں ملے گی۔

[۲] ایسی صورت میں جس گوشۂ زمین کے متعلق بھی اس کا گمان ہو کہ وہاں اس کے جان و ایمان کے لئے معمولی امان حاصل ہو سکے گی وہاں منتقل ہو جائے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مکہ کے ابتدائی دور کے مصائب سے مجبور ہو کر حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اور اگر اپنے ہی ملک کے جنگل اور پہاڑ اسے پناہ دے سکیں تو اپنا ایمان لے کر ان کے اندر جا چھپے۔ چنانچہ بعض احادیث میں اس صورت کی طرف بھی اشارہ ہے اور خود قرآن مجید میں اصحاب کہف کی مثال بیان کی گئی۔

زمانہ میں جبکہ وطنی عصبیت نے ہر جگہ دُوسروں کے لئے اپنے دروازے بند کر رکھے ہیں بہتر یہی ہے کہ دوسرے ملکوں کی خاک چھاننے کے بجائے اپنے ہی ملک کی خاک چھانے اور اس کے اندر ان ذرائع سے کام لینے کی کوشش کرے جو بالآخر ایک صالح نظام کی تعمیر میں کام آسکیں۔ اس جدّ وجہد میں کامیابی ہو یا نہ ہو لیکن جہاں تک کوشش کرنیوالے کا تعلق ہے وہ بہرحال دونوں حالتوں میں کامیاب ہے کیونکہ وہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر پائے گا وہ اس کا اپنا اخلاص اور اس کی اپنی محنت ہے۔ اگر اس چیز میں اس نے کوئی کمی نہیں کی ہے تو کوئی دُوسری چیز اس کی کامیابی کو ناکامی میں نہیں بدل دے سکتی۔

ایک اور شُبہ اور اس کا ازالہ | اس پُوری بحث کو پڑھنے کے بعد بعض لوگوں کے ذہن میں ایک اور شبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت کی اطاعت و عدم اطاعت کا معاملہ اتنا اہم ہے کہ اس سے آدمی کے کفر و اسلام کا سوال پیدا ہو جاتا ہے اور جب تک حکومت کی طرف سے کسی کفر صریح کا صدور نہ ہو اس کی وفاداری واجب اور اس کی اطاعت سے انحراف اور اس کے خلاف تلوار اٹھانا حرام ہے تو آخر حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کی خلافت کے خلاف کیوں تلوار اٹھائی درآنحالیکہ یزید پر زیادہ سے زیادہ الزام فسق کا تھا نہ کہ کفر کا؟ یزید نے نہ تو کسی کفر صریح کا اظہار کیا تھا اور نہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان عہد کے دوسرے صحابہ نے اس کی حکومت کے کافرانہ ہونے کا فتوٰے ہی دیا تھا؟

یہ شبہ زیادہ تر نتیجہ ہے تاریخ کے ناقص مطالعہ کا۔ اُس دور کے واقعات کا مطالعہ کرتے وقت عموماً لوگ محبت اور نفرت کے دو گونہ جذبات کی رَو میں اس طرح بہ جاتے ہیں کہ وہ فکری توازن باقی ہی نہیں رہ جاتا جو اصل صورت معاملہ پر غور کرنے اور اسکو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔ اصل یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا خروج یزید کی حکومت کے خلاف ہرے سے تھا ہی نہیں۔ وہ جس وقت اہل کوفہ کی دعوت پر نکلے ہیں اس وقت تک یزید کی خلافت منعقد ہی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے خلاف خروج کا سوال پیدا ہو۔ اُس وقت تک نہ حجاز کے مرکزی شہروں نے اس کی خلافت پُورے پر تسلیم کی تھی اور نہ عراق کے لوگوں نے ابھی اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ صرف شام کے مسلمانوں نے اس کی خلافت تسلیم کی تھی لیکن مکہ مدینہ اور کوفہ وغیرہ جیسی مرکزی اسلامی آبادیوں کو اتفاق رائے حاصل کئے بغیر محض اہل شام کا یہ مرتبہ نہیں

تھا کہ وہ اسلامی خلافت کا مسئلہ طے کردیں۔ اس وقت تک عام مسلمان تو درکنار امیر معاویہ کے مقرر کئے ہوئے امراء تک کا یہ حال تھا کہ وہ آئندہ خلیفہ کے بارہ میں ابھی یکسو نہیں ہوئے تھے۔ اس عام تذبذب کی وجہ سے ان امراء کا وہ امیرانہ اقتدار بھی قائم نہیں رہا تھا جو ہونا چاہیئے تھا۔ اہل کوفہ نے حضرت امام حسین کو جو خط لکھا تھا اس میں واضح کر دیا تھا کہ "اس وقت ہمارے اُوپر کوئی امیر نہیں ہے۔ آپ تشریف لائیے، شائد اللہ تعالیٰ آپکے ذریعہ سے ہم کو ہدایت پر مجتمع کردے۔ قصرِ امارت (GOVERNMENT HOUSE) میں نعمان بن بشیر ضرور موجود ہے لیکن ہم نہ تو اس کے پیچھے جمعہ پڑھتے ہیں، نہ عیدیں، اگر ہم کو آپکی آمادگی کا علم ہو جائے تو ہم اس کو کوفہ سے نکال باہر کریں۱؎" خود یہ نعمان بن بشیر جو کوفہ کا امیر تھا، یزید کی خلافت کی نسبت جو رائے رکھتا تھا اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب اُسے معلوم ہُوا کہ امام حسینؓ کوفہ تشریف لا رہے ہیں تو اس نے صاف صاف کہا کہ "لابن بنت رسول اللہ احب الینا من ابن بحدل یعنی رسول اللہ کا نواسہ ہم کو ابن بجدل (یزید) سے زیادہ عزیز ہے"۔ چنانچہ اس وجہ سے یزید نے اس کی جگہ عبیداللہ بن زیاد کو وہاں کا امیر بنا کر بھیجا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر امام حسینؓ کے لئے ۳۰ ہزار سے زیادہ آدمیوں نے بیعت کر لی۔ کم و بیش یہی حال حجاز کی مرکزی آبادیوں کا تھا۔ نہ صرف یہ کہ ابھی یزید کی بیعت کہیں منعقد نہیں ہوئی تھی بلکہ ہر جگہ اس کے خلاف مخفی اور ظاہر دونوں کی تحریک موجود تھی۔ ان حالات کے اندر امام حسین علیہ السلام کا اٹھنا کسی ایسی حکومت کے خلاف اٹھنا نہیں تھا جس کو "خلافت قائم شدہ از روئے قانون اسلامی" ہونے کی حیثیت حاصل ہو اور جس کے خلاف خروج اس کے اربابِ اقتدار کے فسق کے باوجود ناجائز ہو۔ بلکہ اس وقت تک ملک میں ایک ایسی سیاسی خلا کی حالت تھی اور یہ خلا اپنے بھرنے کے لئے ابھی لئے عام کے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔ ایسے حالات کے اندر امام حسین علیہ السلام کو شریعت کی رُو سے نہ صرف اس بات کا پُورا حق حاصل تھا کہ وہ رسم ولیعہدی کی عجمی بدعت کے خلاف جہاد کے لئے اٹھیں بلکہ انکے علم و فضل اور ان کے دینی مرتبہ کی وجہ سے ان پر اس جہاد کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ بالخصوص [illegible] سے مسلمانوں کی نگاہیں انکی طرف رہنمائی کی توقع کے ساتھ ساتھ اٹھ رہی تھیں اور ان سے ذمہ داری قبول

۱؎ الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ جلد ۲ صفحہ ۳۔

کرنے کی درخواستیں کیجارہی تھیں۔ اس وجہ سے یہ خیال کرنا کہ امام حسین علیہ السلام کا یہ اقدام یزید کی خلافت کے خلاف خروج کے حکم میں آتا ہے بالکل غلط ہے۔ یزید کی خلافت تو، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، ابھی منعقد ہی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے خلاف خروج و عدم خروج کا سوال پیدا ہو۔ اس وقت تک زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں اگر کوئی چیز لوگوں کے سامنے آئی تھی تو وہ اس کی ولیعہدی کی بیعت تھی جو امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں بھی ان کو پوری کامیابی نہیں ہوئی تھی اور بالفرض اس میں ان کو کامیابی بھی ہو جاتی جب بھی اس چیز کو انعقادِ خلافت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ انعقادِ خلافت کے لئے اصلی اور واحد شے تمام مرکزی آبادیوں کی بیعت عام تھی اور یہ چیز اس وقت تک بہرحال وجود میں نہیں آئی تھی۔

لہذا اس میں تو ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ جس وقت امام حسین علیہ السلام مکہ سے نکلے ہیں اس وقت وہ اپنے اس اقدام کے لئے شرعاً پوری طرح مجاز تھے لیکن ان کے کوفہ پہنچنے سے پہلے پہلے حالات میں اتنی تیز رفتاری کے ساتھ تغیر واقع ہوا کہ معاملہ کی وہ شرعی نوعیت بالکل ہی بدل گئی جو ان کے مکہ سے نکلنے کے وقت تھی۔ ایک طرف تو اہل کوفہ امام حسین کے نمائندہ مسلم بن عقیل کے ساتھ غداری کر کے عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ مل گئے اور مسلم بن عقیل نہایت مظلومیت کی حالت میں قتل کر دیئے گئے دوسری طرف حجاز میں بھی حالات نہایت تیزی کے ساتھ یزید کے حق میں ہموار ہو گئے اور لوگوں سے طوعاً یا کرہاً اس کے لئے بیعت حاصل کر لی گئی۔ حضرت امام حسینؓ کو جب اس نئی صورتِ حال کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے سارے معاملے پر از سرِ نو نگاہ ڈالی اور فوراً واپسی کا ارادہ کر لیا اور ابنِ زیاد کی فوج (جو ان سے لڑنے کے لئے آئی تھی) کے افسر عمرو بن سعد کے سامنے تین متبادل تجویزیں انہوں نے رکھیں کہ ان میں سے جو تجویز تم کو تمہارے مصالح کے موافق نظر آئے مجھے اس کے اختیار کرنے کی اجازت دو

——— ایک یہ کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلے جانے دو۔

——— دوسری یہ کہ مجھے ترکوں کی سرحد کی طرف نکل جانے دو تاکہ بقیہ زندگی انکے ساتھ جہاد میں بسر کر دوں۔

——— تیسری یہ کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو میں اپنے تئیں اسکے حوالہ کر دونگا وہ جو فیصلہ چاہے کرے۔

عمرو بن سعید نے امام کی یہ تینوں تجویزیں ابن زیاد کے پاس بھیج دیں۔ ابن زیاد نے امام کو انکی خواہش کے مطابق یزید کے پاس بھیجنا چاہا لیکن شمر بن حوشب نے اس سے اختلاف کیا۔ اس نے ابن زیاد کو سمجھایا کہ قابو میں آئے ہوئے دشمن کو موقع دینا سخت نادانی ہوگی۔ اگر ان کو یزید تک تم نے پہنچ جانے دیا تو نہ صرف یہ کہ ان کا بال بیکا نہیں ہوگا بلکہ یہ وہاں وہ مرتبہ حاصل کرلیں گے جو نہ تو تمہیں حاصل ہو سکے گا، نہ کسی اور کو۔ اس وجہ سے ان کو مجبور کرو کہ وہ اپنے آپ کو تمہارے حوالہ کریں اور تم جو فیصلہ کرو اس کے آگے سرِ تسلیم خم کریں۔ ابن حوشب کا یہ جادو چل گیا اور ابن زیاد نے امام کی ان تجویزوں کو ٹھکرا دیا اور اصرار کیا کہ وہ اپنے تئیں اس کے حوالہ کریں اور وہ جو فیصلہ کرے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کریں۔

ظاہر ہے کہ اب یہاں دین و شریعت کے تقاضوں اور حکومت کی اطاعت یا عدم اطاعت کا کوئی سوال باقی نہیں رہا تھا بلکہ سر تا سر چند خود غرض لوگوں کی کینہ توزی اور خباثت نفس تھی جس کا نہایت بڑے طریقہ پر مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔ امام حسین علیہ السلام اس بات کے لئے تو پابند تھے کہ اگر شریعت کے قوانین ان سے مطالبہ کریں تو وہ یزید جیسے فاسق کی اطاعت سے بھی انکار نہ کریں لیکن وہ اس بات کے لئے شریعت کی طرف سے ہرگز پابند نہیں تھے کہ وہ ابن حوشب اور ابن زیاد جیسے کینہ توزوں کے رحم و کرم پر اپنے آپ کو چھوڑ دیں اور پورے کنبہ سمیت اپنے آپ کو خود ہی ذبح کئے جانے کے لئے ان کے حوالہ کر دیں۔ چنانچہ ان لوگوں کے اس صریح ظلم کے آگے سر جھکانے اور ان کے ہاتھوں اس ذلت کی موت پر از خود راضی ہونے سے امام علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ بالآخر کربلا کے حادثۂ خونیں کی شکل میں ظاہر ہوا۔

رسائل و مسائل

سُود، بنکنگ اور بین الاقوامی معاشی روابط

سوال:۔ میں معاشیات کا ایک طالب علم ہوں اور اس سلسلے میں آپ کی جماعت کے اسی موضوع کے مضامین کو پڑھنے کا اکثر اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ آپ کے رسالہ ترجمان القرآن جلد ۳۲ عدد ۲ شائع شدہ ماہ اگست میں آپ کا مضمون "معاشی ناہمواریوں کا اسلامی علاج" پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ جن مشکل مسئلوں کو آپ نے اس میں لیا ہے، اس میں سُود کا مسئلہ بھی ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ علاوہ ازیں کہ سُود صریحاً کتاب و رسول کے احکامات کے خلاف ہے، اس سے معاشی ناہمواریاں بھی پیدا ہوتی ہیں، کیونکہ اشیا بنانے والے اور تاجر سُود کی رقم کو چیزوں کی قیمت میں شامل کر دیتے ہیں، جو بالآخر عوام کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس سودی نظام کے ماتحت قریب قریب ہر چیز کی قیمت میں سود کا عنصر شامل رہتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن آگے چل کر آپ نے بین الاقوامی تجارت کو لیا ہے اور لکھا ہے کہ جب تک ہم اپنے یہاں اسلامی طرز کو کامیابی سے چلا کر نہ دکھا دیں، ہمیں بین الاقوامی تجارت میں سود کا وجود برداشت کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ترجمان کے صفحہ ۱۲۲ پر سے آپ کا یہ جملہ نقل کرتا ہوں:۔

"جب تک یہ منزل نہ آجائے، آپ کو اپنے بین الاقوامی مالی و تجارتی روابط میں سود کی آلائش کو اضطراراً گوارا کرنا پڑے گا"

آپ اپنے متعدد مضامین میں لکھ چکے ہیں کہ آپ ہر مسئلہ کو خالص اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھیں گے اور آج کل کی دنیا کے ہر اس طریقے کو رد کر دیں گے جو غیر اسلامی ہے ——————

چاہے اس میں کتنا ہی دنیاوی نقصان کیوں نہ ہو۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ سود کے وجود کو اس منزل کے آجانے تک اضطراراً کیوں گوارا کیا جائے۔ آخر جو اشیا غیر ممالک سے یہاں آئیں گی، اُن کی قیمتوں میں سُود

کا عنصر بہرحال ضرور ہوگا اور جب ہم ان اشیاء کو خریدیں گے تو گویا اس سودی عنصر کو ادا کیا۔ اسلام میں سود دینا بھی گناہ ہے، لہٰذا یہ کہاں تک جائز ہوگا۔ براہ کرم اس شبہے کا ازالہ فرمائیے تاکہ اطمینان ہو۔

جواب :- بلاشبہ بحیثیت مسلمان ہمارا فرض یہی ہے کہ ہر وہ چیز جسے اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے اس سے ہم اپنے معاشرے کو پاک کر دیں، چاہے اس میں بظاہر وقتی طور پر کوئی نقصان ہی پہنچتا نظر آئے ـــــ ورنہ درحقیقت حرام بہرحال مضر ہی ہوتا ہے اور اس کے مفاسد اس کے مفاد کے مقابلے میں بھاری رہتے ہیں۔

یہی تو وہ جذبہ ہے جو ہمیں اس پر مجبور کرتا ہے کہ اپنے ہاں کے بینکنگ سسٹم کو ادھیڑ کر نئے سرے سے بُنیں اور اس کے لئے تیاری کریں، درآنحالیکہ دنیا کی دنیا اسکی موجودہ شکل پر ایمان لائے ہوئے ہے۔

لیکن ایک پھیلے اور چھائے ہوئے، بلکہ یوں کہیئے کہ رچے بسے سسٹم کو آناً فاناً بدل دکھانے پر کوئی انسانی قوت قادر نہیں ہوسکتی۔ تبدیلی کے لئے تدریج خود ایک قانونِ قدرت ہے اور اسے اسلام نے پوری اہمیت دی ہے! چنانچہ ایک فرد کے مسلمان بننے کا معاملہ ہو یا ایک معاشرہ میں نظامِ اسلامی کے دستور کرنے کا سوال درپیش ہو، دونوں حالتوں میں تدریج ناگزیر ہے۔

اب آپ اگر ذرا تامل سے کام لیں تو خود اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اپنے نظامِ معاشی کو سود کی آلائش سے پاک کرنے کے لئے اگر کوئی عملی پروگرام اختیار کیا جاسکتا ہے تو وہ حسب ذیل تدریج پر ہی کام کرسکتا ہے۔

(۱) سب سے پہلے شخصی سودخواری کو قطعی طور پر ممنوع ٹھہرایا جائے۔

(۲) اس کے بعد ایک نیا بینکنگ سسٹم اصولِ مضاربت یا اصولِ امدادِ باہمی پر قائم کیا جائے۔

(۳) پھر موجودہ بینکوں کے سرمائے کو نئے نقشے کے بینکوں کی طرف منتقل Shift کیا جائے۔

(۴) مذکورہ بالا بین الملکی انقلاب کی تکمیل کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی فضا کو متاثر کرنے کے لئے اپنے بینکنگ سسٹم کی سائنس کو پورے زورِ استدلال کے ساتھ مدون کر کے پیش کر دیا جائے اور اس کی توضیح کے لئے وسیع لٹریچر فراہم کیا جائے، نیز نئے بینکنگ سسٹم کے تحت جو تجربات حاصل ہوں ان کو اعداد و شمار کی روشنی میں دوسری اقوام کے سامنے رکھا جائے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے قابلِ عمل Practicable بلکہ

مفید تر ہونے کی قابل ہو جائیں۔

(۵) اسی دوران میں ان پر تجارتی دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اپنے ہاں یا تو غیر سودی بنکنگ سسٹم خود قائم کریں یا ہمارے بنکوں کی شاخیں کھولنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں اور ہماری اس شرط کو منظور کریں کہ دو طرفہ تجارت درآمد و برآمد غیر سودی بنکنگ سسٹم کی معرفت ہو گی!۔

اس تدریجی پروگرام کی شق (۵) کے عمل میں آنے تک ہم اپنی تجارتِ خارجہ کو جاری رکھنے کے لئے بیرونی ممالک کے سودی بنکوں سے قطعی طور پر بے نیاز نہ ہو سکیں گے، اور اس طرح شق (۳) کے تکمیل پذیر ہونے تک ہم خود اندرونِ ملک میں بھی اپنے نظامِ صنعت و تجارت کو سود سے کلیتہً پاک نہ کر سکیں گے۔

اصولی حیثیت سے جہاں تک بین الاقوامی معاملات کا تعلق ہے، یہ بات آپ کو ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ دنیا جو ایک شہر کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں اگر چاروں طرف غیر اسلامی نظاموں کے مفاسد کا سمندر موجیں مار رہا ہے تو اس سمندر میں اسلامی ریاست کے جزیرے کا ساحل بہر حال موجوں کی زد میں رہیگا، اس وجہ سے ایک اسلامی ریاست کا منتہائے کمال اسی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے جب کہ ارد گرد کی ساری دنیا اس کے اصولوں سے اثر قبول کرے ـــــ اور یہی وہ ضرورت ہے جس کے لئے ایک اسلامی ریاست کا نصب العین ہی یہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہمہ تن اقامتِ دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک ادارہ ہو۔ وہ ساری دنیا کے لئے ایک روشنی کا مینار، ایک تعلیم کا مرکز، ایک نگرانی کی چوکی اور ایک پولیس اسٹیشن بن جائے ـــــ حتیٰ کہ پوری دنیا ایک اسلامی ریاست بن سکے!

اس انتہائی کمال کی حالت کو پہنچنے سے پہلے ایک اسلامی ریاست بین الاقوامی معاملات میں جتنے کچھ تعلقات دوسری ریاستوں سے رکھنے پر مجبور ہو اس میں اسکی کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ وہ کم سے کم "براہ راست" قسم کے مفاسد سے اپنے آپ کو بچائے ـــــ اِلّا یہ کہ کسی شدید طبعی ضرورت کے لئے وہ اضطراراً کسی ایسی صورتِ حالات کو گوارا کرنے پر مجبور ہو جس میں کوئی مفسدہ پایا جاتا ہے۔

مثلاً آپ کو ایک وقت میں غذائی قلت یا قحط کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے اور آپ مجبوراً کسی غیر ملک سے غلہ درآمد کرتے ہیں، اس غلہ کی قیمت کی ادائی کے لئے آپ کو ایسے بنکنگ سسٹم کو ذریعہ بنانا پڑتا ہے

جو سود کے اصول پر قائم ہے یا آپ کسی جنگ میں مبتلا ہیں اور قوم کی موت و حیات کا سوال درپیش ہے اور اس حال میں آپ اسلحہ خریدتے ہیں لیکن نقد ادائی کے لئے روپیہ نہیں رکھتے، اور مجبوراً سود پر قرض لیتے ہیں۔ اسی طرح آپ کو معاشی بدحالی کے دور کرنے کے لئے کسی وقت بیرونی سرمایہ کی ضرورت پیش آجاتی ہے اور بیرونی سرمایہ اصولِ مضاربت پر نہیں ملتا، کیونکہ اس اصول کا عملی تجربہ کسی کو بھی نہیں۔ تو ان سارے مواقع میں آپ اضطرار کی رخصت سے فائدہ اٹھانے پر مجبور ہوں گے!

رہے وہ مفاسد جو براہِ راست نہیں ہیں، بلکہ جن اشیا کو آپ کسی ملک سے حاصل کرتے ہیں، ان کی تیاری اور ان کے مارکیٹ میں آنے کے سسٹم میں پائے جاتے ہیں تو آپ ہر چیز کی تیاری کی ہسٹری اور اس کے پس منظر کی کرید کیے بغیر صرف اتنے پر اکتفا کریں گے کہ جو معاملہ آپ کر رہے ہیں خود اس معاملہ میں تو کوئی اصلی قباحت نہیں۔ ورنہ اگر اشیا کی ہسٹری اور معاملات کے غیر متعلق پس منظر کی کرید میں پڑنا شرعاً ضروری ہو تو پھر دنیا میں کسی غیر مسلم بلکہ کسی بگڑے ہوئے مسلمان سے بھی کسی طرح کا کوئی معاملہ نہیں کیا جا سکے گا ——— حالانکہ انبیا نے کفار و مشرکین سے ہر طرح کے معاملات کئے ہیں، خود نبی صلعم نے غیر مسلموں کے ہاں اجرت پر کام کیے ہیں اور یہ نہیں دیکھا کہ اجرت کس مال میں سے دی جا رہی ہے، اور محنت سے جو فائدہ اٹھایا جا رہا ہے وہ کن مقاصد پر صرف ہوگا۔ پھر آپ نے غیر مسلموں کی کھانے کی دعوتیں قبول کی ہیں، اور یہ کرید نہیں کی کہ کھانا جس مال سے پکا ہے وہ کس طرح کمایا گیا تھا اور اس کے پیچھے کونسا معاشی نظام کام کر رہا تھا۔

معاشی ناہمواریوں میں سُود کے پورے نظامِ معاشی کی رگوں میں سرایت کر جانے کی جو توضیح کی گئی ہے اُس کا اصل مدعا اس غلط نظریے کی تردید کرنا تھا کہ بنکوں کا سُود اُن مفاسد سے پاک ہوتا ہے جو انفرادی سود خواری میں پائے جاتے ہیں۔ اس تصریح سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ اگر کسی ملک کے نظامِ معیشت میں سُود سرایت کئے ہوئے ہو تو اُس کی پیداواریں اور مصنوعات خریدی یا استعمال نہیں کی جا سکتیں۔

ان اشارات سے غالباً آپ اصلِ مدعا کو سمجھ سکیں گے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی نظام کو کتابوں کے اوراق سے نکال کر صفحۂ زمین پر اگر عملاً قائم کرنا ہو تو تدریج ناگزیر ہے اور تدریج بہر حال اس کا تقاضا کرتی ہے کہ اصلاح کے عبوری دور کے مختلف مراحل کو اضطراراً گوارا کیا جائے۔ بخلاف اس کے اگر کلی حالات

سے آنکھیں بند کر کے آپ اٹھیں اور غیر سودی نظام معیشت کو قائم کرنے کے لئے ایک صبح کو اچانک آرڈی نینس جاری کر دیں کہ آج سے سودی بنکنگ سسٹم کو بند کیا جاتا ہے اور کل سے غیر سودی بنکنگ سسٹم کام کرے گا تو اس آرڈی نینس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ آپ کا سارا معاشی نظام دھڑام سے زمین پر آ رہے گا اور اسکو از سر نو تعمیر کرنے کے لمبے عمل کی طرف توجہات کو دیر تک کے لئے منعطف کرنے کے بجائے اصل سوال یہ پیدا ہو جائے گا کہ جئیں کیسے؟

اجتماعی نظام کی اصلاح و تجدید کے لئے صرف وہی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے جس کے تحت ایک نظام چلتے چلتے بدلتا جائے، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ چلتے نظام کو روک کر اسے اسکی جگہ سے پہلے اکھیڑ کر ملک سے باہر کسی سمندر میں پھینک دیا جائے اور پھر ایک بنا بنایا نظام کسی کارخانے سے لا کر اسکی جگہ نصب کر دیا جائے۔

یہ الگ بات ہے کہ اصولِ تدریج کی آڑ لے کر ایک طبقہ جس طرح ٹال مٹول سے کام لینا چاہتا ہے وہ خلافِ اسلام ہے۔ ایک مومنِ صادق اضطرار کے مراحل سے جلد از جلد گذرنے کی پوری سعی کرتا ہے اور وہ اسلام کے ظہورِ کامل سے پہلے کی عبوری منزلوں میں سے کسی منزل میں قرار نہیں پکڑتا اور اضطرار کے مواقع سے لذت نہیں لیتا۔

تفہیم القرآن (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی) یہ معلوم کرنے کے لئے پے در پے خطوط آ رہے ہیں کہ تفہیم القرآن کب شائع ہو جائیگی۔ فرداً فرداً ہر خط کا جواب دینا مشکل ہے اس لئے بذریعہ ترجمان القرآن اعلان کیا جاتا ہے کہ تفہیم القرآن کی اشاعت کے ابتدائی انتظامات مکمل ہو چکے ہیں، کتابت شروع ہے اور جس رفتار سے کام ہو رہا ہے اسکے پیش نظر توقع ہے کہ پہلی جلد مئی سنہ ۱۹۵۰ء میں شائع ہو جائیگی۔ رفتار صرف اسوجہ سے سست ہے کہ اس گرانقدر تفسیر کے باطنی محاسن کے شایان شان ظاہری خوبیوں کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ جو اصحاب یہ چاہتے ہوں کہ تفہیم القرآن شائع ہوتے ہی ان تک پہنچ جائے وہ اپنی فرمائشیں ابھی سے رجسٹر کرالیں جس ترتیب سے فرمائشیں درج ہونگی اسی ترتیب سے انکی تعمیل بھی ہوگی۔ بعض اصحاب نے قیمت پیشگی جمع کرانے پر آمادگی ظاہر کی ہے، لیکن ابھی قیمت کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ جب قیمت مقرر ہو جائے گی تو پھر پیشگی رقوم جمع کی جائیں گی۔ کاغذ اور جلد بندی کے لحاظ سے پہلے ایڈیشن کی تین اقسام ہونگی۔ بہت اعلیٰ، متوسط، معمولی۔ فرمائشیں ذیل کے پتہ پر آنی چاہئیں: شیخ قمرالدین پبلشر گوجر گلی اندرون موچی دروازہ

مسئلہ ملکیت زمین

- زمین کی شخصی ملکیت از روئے قرآن
- زمین کی شخصی ملکیت از روئے حدیث
- مزارعت کا مسئلہ
- اصطلاح کے حدود اور طریقے

★

سید ابوالاعلیٰ مودودی

قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ جماعت اسلامی

اچھرہ لاہور (پاکستان)

سلسلۂ مباحث

اسلامی ریاست

مبحث :- **کارکنوں کی ذمہ داریاں** قیمت ۱۴ آنے

اور

ان کے اوصاف

مبحث :- **شہریت کے حقوق و فرائض** قیمت ایک روپیہ

مبحث :- **اطاعت کے شرائط اور حدود** قیمت ۱۰ آنے

مولانا امین احسن اصلاحی

سرورق مطبوعہ ربن پریس ، لاہور